www.cpsglobal.org

رمضان ایڈیشن

الرسالہ
Al-Risala

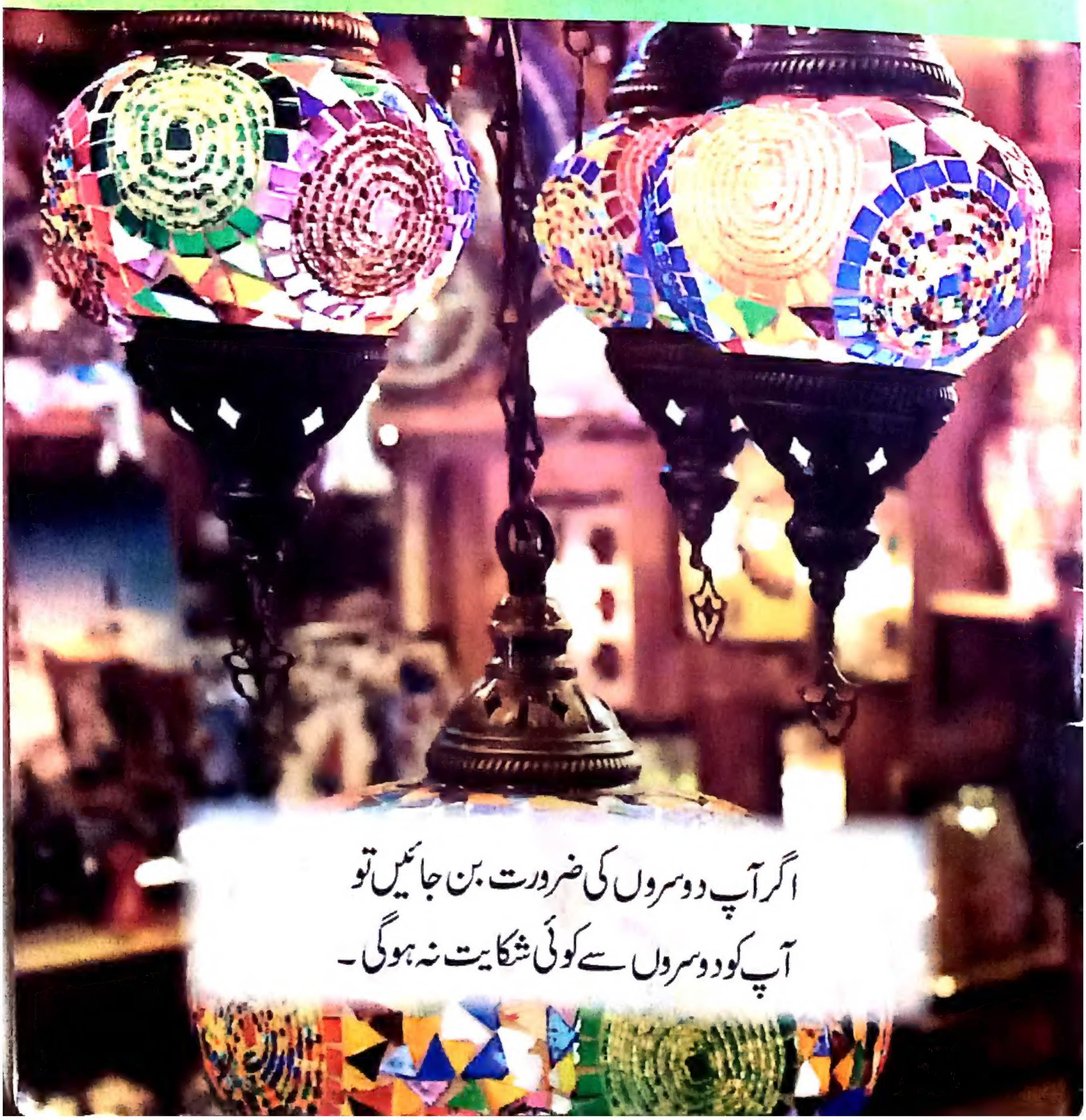

اگر آپ دوسروں کی ضرورت بن جائیں تو
آپ کو دوسروں سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔

Scanned with CamScanner

Subscribe in Pakistan
SMS 0334-48 56 56 0
Email: subscribe@cpspakistan.org
www.cpspakistan.org

Scanned with CamScanner

الرسالہ

جاری کردہ 1976

اردو اور انگریزی میں شائع ہونے
والا اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خان

صدر اسلامی مرکز

For Pakistan
CPSPakistan@hotmail.com

Al-Risala Monthly
1, Nizamuddin West Market
New Delhi-110 013
Tel. 011-41827083, 46521511
Fax: 011-45651771
email: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

Subscription Rates

Single copy 20
One year 200
Two years 400
Three years 600
Abroad by Air Mail. One year $20

Printed and published by
Saniyasnain Khan on behalf of
Al-Markazul Islami, New Delhi.

Printed at Nice Printing Press,
7/10, Parwana Road,
Khureji Khas, Delhi-110 051

فہرست

سی پی ایس	2
دل کا سکون	3
تعمیر کی فتح	4
زندگی کی قوت	5
کچھ اور کرنا ہے	6
جنت سب سے بڑا عطیہ	7
شہد کا سبق	8
شکایت کا مزاج	9
شکایت، شکایت، شکایت	10
ڈسکوری، ری ڈسکوری	11
خدا اور انسان	12
تخلیق کس لئے	13
کامل دنیا	14
استثنائی دنیا	15
دنیا کا قانون	16
بھیڑ کے درمیان سناٹا	17
اختلاف کے باوجود	18
فردی سطح پر	19
مغرب کا ایجنڈا	20
مذہبی انتہا پسندی	22
نقطۂ آغاز	24
ملت کا درخت اگانے کے لئے	25
شکر کا جذبہ	26
ایمان ایک زلزلہ خیز عقیدہ	27
اسلام زندگی کا ضمیمہ نہیں	28
قرآن سے تعلق	29
تلاوت کا فائدہ	30
قرآن کا پیغام	31
مانگنے والا پاتا ہے	32
دعا کیوں قبول نہیں ہوتی	33
دعا کی قبولیت	34
اسم اعظم کے ساتھ دعا	35
دنیا، آخرت	36
سب سے بڑا حادثہ	37
آخرت سے غفلت کیوں؟	38
تکاثر سے قبر تک	39
جنت: عطیہ خداوندی	40
خدا کا اعتراف نہیں	41
بے روح عبادت	42
حج: ایک انتباہ	43
روزے کی حکمت	44
آگ سے بچاؤ	45
سوال وجواب	46

Scanned with CamScanner

سی پی ایس(Center for Peace and Spirituality)

ہر عورت، مرد شعوری یا غیر شعوری طور پر کچھ سوالات سے دو چار رہتے ہیں۔ میں کون ہوں۔ میری پیدائش کا مقصد کیا ہے۔ یہ دنیا کس منصوبے کے تحت بنائی گئی ہے۔ موت کے بعد کیا ہونے والا ہے۔ اس دنیا کے بارے میں خدا کا تخلیقی منصوبہ(Creation Plan) کیا ہے۔ یہ سوالات آئڈیالوجی آف لائف سے تعلق رکھتے ہیں۔ سی پی ایس کا مقصد انھی سوالات کا جواب فراہم کرنا ہے۔

سی پی ایس گویا ایک سٹڈی فورم ہے۔ سی پی ایس، لٹریچر، میڈیا، آڈیو، ویڈیو اور ویب سائٹ کے ذریعے یہ کوشش کر رہا ہے کہ وہ پر امن انداز میں سچائی کا پیغام لوگوں تک پہنچائے۔ سی پی ایس انسان سازی سے دل چسپی رکھتا ہے۔ سی پی ایس کا میدان کار ایجوکیشن (فارمل اور انفارمل) اسپریچول ڈیولپمنٹ، تعمیر شعور، امن کا فروغ، پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا، ویب سائٹ، ڈائلاگ، فکری رہنمائی اور ذہنی انقلاب ہیں۔ یہی سی پی ایس کا اساسی مقصد ہے۔ ہمارا اصل کام فکری انقلاب لانا ہے۔ فکری انقلاب کے بغیر عملی نتائج پانا کسی بھی حال میں ممکن نہیں۔ سی پی ایس ایک خالص دعوتی تحریک ہے، اس کا تعلق، سیاست سے نہ براہ راست طور پر ہے نہ بالواسطہ طور پر۔

روحانیت کو عام طور پر ایک پُراسرار ڈسپلن سمجھا جاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ روحانیت اس سے زیادہ وسیع ہے۔ روحانیت دراصل، ربانیت(Divine Culture) کا نام ہے۔ روحانیت کا تعلق انسانی زندگی سے ہے۔ روحانیت دوسرے لفظوں میں، خدا رُخی زندگی(God-oriented life) کا نام ہے۔ روحانیت یہ ہے کہ آدمی اعلیٰ شعوری سطح پر سچائی کی معرفت حاصل کرے۔ فکری عمل کے ذریعے وہ اپنے اندر ربانی شخصیت پیدا کرے۔ وہ سچائی کو ابدی حقیقت کی صورت میں دریافت کرے۔ وہ محدود مادی دنیا سے اوپر اٹھ کر سچائی کو اس کی آفاقی صورت میں پالے۔ وہ زندگی کی معنویت کو دریافت کر کے پوری طرح ایک بامقصد انسان بن جائے۔

سی پی ایس انٹرنیشنل اپنے فکر کے اعتبار سے ایک آفاقی تحریک ہے اور اپنے مزاج کے اعتبار سے وہ انسان فرینڈلی مزاج رکھتی ہے۔ سی پی ایس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے محدود دائرے سے اٹھ کر امن، روحانیت اور حقیقت شناسی کی لامحدود دنیا میں جینے لگے۔

Scanned with CamScanner

دل کا سکون

آج کی دنیا ترقی یافتہ دنیا کہی جاتی ہے۔مگر یہ تمام ترقیاں صرف ''چیزوں'' کی ہوئی ہیں۔ جہاں تک ''انسان'' کا تعلق ہے، وہ بدستور غیر ترقی یافتہ حالت میں پڑا ہوا ہے۔انسان پیچھے ہے اور چیزیں آگے۔

سب سے بڑی چیز جو انسان چاہتا ہے وہ سکون ہے۔مگر آج کسی کو سکون حاصل نہیں۔ جدید مادی ترقیوں نے صرف یہ کیا ہے کہ انسان سے اس کا سکون چھین لیا ہے۔ یہ ترقیاں انسان کو سکون دینے میں سراسر ناکام ثابت ہوئی ہیں۔

موجودہ دنیا میں ایک عجیب تضاد نظر آتا ہے۔ یہاں سامانِ سکون ہے مگر سکون نہیں۔ یہاں قہقہوں کا شور ہے مگر دل کا چین نہیں۔ یہاں خوشی کے اسباب کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں مگر حقیقی خوشی کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

اس کی وجہ کیا ہے۔اس کی وجہ بالکل سادہ ہے۔ہم روح جیسی برتر چیز کو مادہ جیسی کمتر چیز کے ذریعہ خوش کرنا چاہتے ہیں۔اور ایسا ہونا کبھی اس دنیا میں ممکن نہیں۔ جولین آف ناروچ (julian of Norwich) نے صحیح کہا ہے کہ ہماری روح کبھی ان چیزوں میں سکون نہیں پا سکتی جو خود اس سے نیچی ہوں:

Our soul may never rest in things that are beneath itself

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ وہ ہماری معلوم دنیا کی سب سے برتر مخلوق ہے۔اس کائنات میں انسان کے اوپر صرف ایک ہی ذات ہے اور وہ خود خالق ہے۔یہی واقعہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ انسان کے لئے سکون اور راحت کا واحد ذریعہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کو پالے۔اس سے کمتر کوئی چیز اس کے لئے سکون اور راحت کا سبب نہیں بن سکتی۔

یہی حقیقت ہے جو قرآن میں ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے:

جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان ملتا ہے۔جان لو، اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔	الذین امنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (الرعد 28)

Scanned with CamScanner

تعمیر کی فتح

صبح کو وہ سو کر اٹھا تو کمرہ میں چڑیا کا انڈا ٹوٹا ہوا پڑا تھا۔ یہ گوریا کا انڈا تھا جس نے چھت کی لکڑی میں ایک گوشہ پا کر وہاں اپنا گھونسلا بنا رکھا تھا۔ اس گھونسلے کی وجہ سے کمرہ میں ہر وقت چڑیوں کا شور رہتا۔ تنکے گرتے رہتے۔ آدمی نے فرش پر ٹوٹا ہوا انڈا دیکھا تو اس نے گھونسلا اجاڑ کر پھینک دیا۔

اگلے دن پھر وہی ''چوں چوں'' کا شور تھا۔ چڑیاں دوبارہ چھت کی لکڑی میں تنکے جمع کر رہی تھیں۔ شاید اجڑے ہوئے گھونسلے کو دوبارہ بنا بنایا دیکھنے کے جذبہ نے ان کے اندر عمل کا شوق بڑھا دیا تھا۔ دوسرا گھونسلا انھوں نے اس سے کم مدت میں بنا لیا جتنی مدت میں انھوں نے پہلا گھونسلا بنایا تھا۔ چڑیوں کی اس جسارت پر اس کو غصہ آیا اور اس نے دوبارہ ان کا گھونسلا اجاڑ کر پھینک دیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس نے چڑیوں کے اوپر آخری طور پر فتح پا لی ہے۔ مگر اگلے دن پھر گھونسلے کا مسئلہ اس کے سر پر موجود تھا۔ چڑیوں نے جب دیکھا کہ ان کا بنا بنایا گھونسلا اجاڑ دیا گیا ہے اور انڈے توڑے جا چکے ہیں تو انھوں نے رونے میں یا فریاد کرنے میں وقت ضائع نہیں کیا۔ انھوں نے ایسا بھی نہیں کیا کہ باہر جا کر دوسری ہم جنس چڑیوں کو ڈھونڈیں اور ان کے ساتھ متحدہ محاذ بنا کر گھر پر حملہ کریں۔ اس کے برعکس وہ خاموشی سے باہر نکل گئیں اور ایک ایک تنکا لا کر دوبارہ گھونسلا بنانا شروع کر دیا۔

اب یہی روزانہ کا قصہ ہو گیا۔ چڑیاں روزانہ گھونسلا بنانا شروع کرتیں اور آدمی روزانہ اس کو اجاڑ دیتا۔ اسی طرح ایک مہینہ گزر گیا۔ اس دوران میں کتنی ہی بار چڑیوں کی محنت ضائع ہوئی۔۔ ان کے چنے ہوئے تنکے بیکار ہو گئے۔ مگر چڑیاں ان چیزوں سے بے پروا ہو کر اپنا کام کئے جا رہی تھیں۔ آدمی کی نفرت کا جواب چڑیوں کے پاس صرف خاموش عمل تھا۔ آدمی کی تخریب کا مقابلہ ہر بار وہ نئی تعمیر سے کرتی تھیں۔ چڑیوں کا دشمن طاقت ور تھا مگر طاقت ور دشمن کا توڑ انھوں نے اپنے لگاتار عمل میں ڈھونڈھ لیا تھا۔

آخر نفرت پر خاموش عمل غالب آیا۔ چڑیوں کی مسلسل تعمیر نے آدمی کی مسلسل تخریب پر فتح پائی۔ ایک مہینہ کے ناکام مقابلہ کے بعد آدمی تھک چکا تھا۔ اس نے چڑیوں کا گھونسلا اجاڑنا چھوڑ دیا۔ اب گوریا نے اپنے گھونسلے کو مکمل کر کے پھر اس میں انڈے دے دئے ہیں۔ وہ ان کو سینے میں مشغول ہے تا کہ وہ اپنی اگلی نسل پیدا کرے اور پھر اپنا کام کر کے اڑ جائے۔ جب یہ چڑیاں اپنے گھونسلے میں جمع ہوتی ہیں تو ان کا ''چوں چوں'' کا شور اب بھی کمرہ میں گونجتا ہے۔ مگر اب آدمی کو یہ شور برا نہیں لگتا۔ کیونکہ ''چوں چوں'' کی آواز میں اس کو یہ قیمتی پیغام سنائی دیتا ہے۔۔ اپنے دشمن سے نفرت نہ کرو۔ ہر حال میں اپنی تعمیری جدو جہد میں لگے رہو ۔تم کامیاب رہو گے۔

Scanned with CamScanner

زندگی کی قوت

گھر کے آنگن میں ایک بیل اگی ہوئی تھی۔ مکان کی مرمت ہوئی تو وہ ملبہ کے نیچے دب گئی۔ آنگن کی صفائی کراتے ہوئے مالک مکان نے بیل کو کٹوا دیا۔ دور تک کھود کر اس کی جڑیں بھی نکلوا دی گئیں اس کے بعد پورے صحن میں اینٹ بچھا کر اس کو سمنٹ سے پختہ کر دیا گیا۔

کچھ عرصہ بعد بیل کی سابق جگہ کے پاس ایک نیا واقعہ ہوا۔ پختہ اینٹیں ایک مقام پر ابھر آئیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے دھکا دے کر انھیں اٹھا دیا ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ چوہوں کی کارروائی ہے کسی نے کوئی اور قیاس قائم کرنے کی کوشش کی۔ آخر کار اینٹیں ہٹائی گئیں تو معلوم ہوا کہ بیل کا پودا اس کے نیچے مڑی ہوئی شکل میں موجود ہے۔ بیل کی کچھ جڑیں زمین کے نیچے رہ گئی تھیں۔ وہ بڑھ کر اینٹ تک پہنچیں اور اب اوپر آنے کے لئے زور کر رہی تھیں۔

''یہ پتیاں اور انکھوے جن کو ہاتھ سے مسلا جائے تو وہ آٹے کی طرح پس اٹھیں، ان کے اندر اتنی طاقت ہے کہ اینٹ کے فرش کو توڑ کر اوپر آ جائیں''۔ مالک مکان نے کہا ''میں ان کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہتا۔ اگر یہ بیل مجھ سے دوبارہ زندگی کا حق مانگ رہی ہے تو میں اس کو زندگی کا حق دوں گا'' چنانچہ انھوں نے چند اینٹیں نکلوا کر اس کے لئے جگہ بنا دی۔ ایک سال بعد ٹھیک اسی مقام پر تقریباً پندرہ فٹ اونچی بیل کھڑی ہوئی تھی جہاں اس کو ختم کر کے اس کے اوپر پختہ اینٹیں جوڑ دی گئی تھیں۔

پہاڑ اپنی ساری وسعت اور عظمت کے باوجود یہ طاقت نہیں رکھتا کہ کسی پتھر کے ٹکڑے کو ادھر سے ادھر کھسکا دے۔ مگر درخت کے ننھے پودے میں اتنا زور ہے کہ وہ پتھر کے فرش کو دھکیل کر باہر آ جاتا ہے۔ یہ طاقت اس کے اندر کہاں سے آئی۔ اس کا سرچشمہ عالم فطرت کا وہ پراسرار مظہر ہے جس کو زندگی کہا جاتا ہے۔ زندگی اس کائنات کا حیرت انگیز واقعہ ہے۔ زندگی ایک ایسی طاقت ہے جس کو کوئی دبا نہیں سکتا۔ اس کو کوئی ختم نہیں کر سکتا۔ اس کو پھیلنے اور بڑھنے کے حق سے کوئی محروم نہیں کر سکتا۔

زندگی ایک ایسی قوت ہے جو اس دنیا میں اپنا حق وصول کر کے رہتی ہے۔ جب زندگی کی جڑیں تک کھود دی جاتی ہیں، اس وقت بھی وہ کہیں نہ کہیں اپنا وجود رکھتی ہے اور موقع پاتے ہی دوبارہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ جب ظاہری طور پر دیکھنے والے یقین کر لیتے ہیں کہ اس کا خاتمہ کیا جا چکا ہے۔ اس وقت بھی وہ عین اس مقام سے اپنا سر نکال لیتی ہے جہاں اسے توڑا اور مسلا گیا تھا۔

Scanned with CamScanner

کچھ اور کرنا ہے

اٹھارویں صدی میں جن انگریزوں کی سرفروشی نے ہندستان کو برطانیہ کی نوآبادی بنایا ان میں لارڈ رابرٹ کلاؤ (۱۷۷۴۔۱۷۲۵) کا نام سرفہرست ہے۔ ۱۷۴۳ میں جبکہ اس کی عمر ۱۸ سال تھی، وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک کلرک کی حیثیت سے مدراس آیا۔ اس وقت اس کی تنخواہ صرف پانچ پونڈ سالانہ تھی۔ یہ رقم اس کے خرچ کے لئے بہت ناکافی تھی۔ چنانچہ وہ قرضوں کے بوجھ کے نیچے دبا رہتا اور مایوسانہ جھنجلاہٹ کے تحت اپنے ساتھیوں اور افسروں سے لڑتا جھگڑتا رہتا۔

اس کے بعد ایک حادثہ ہوا جس نے اس کی زندگی کے رخ کو بدل دیا۔ اس نے اپنی ناکام زندگی کو ختم کرنے کے لئے ایک روز بھرا ہوا پستول لیا اور اپنے سر کے اوپر رکھ کر اس کی لبلبی دبادی۔ مگر اس کو سخت حیرت ہوئی جب اس نے دیکھا کہ اس کا پستول نہیں چلا ہے۔ اس نے پستول کھول کر دیکھا تو وہ گولیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اپنے ارادہ کی حد تک اپنے کو ہلاک کر لینے کے باوجود وہ بدستور زندہ حالت میں موجود تھا۔

یہ بڑا عجیب واقعہ تھا۔ رابرٹ کلائیو اس کو دیکھ کر چلا اٹھا: خدا نے یقیناً تم کو کسی اہم کام کے لئے محفوظ رکھا ہے" اب اس نے کلرکی چھوڑ دی اور انگریزی فوج میں بھرتی ہو گیا۔ اس زمانہ میں انگریز اور فرانسیسی دونوں بیک وقت ہندستان میں اپنا قدم جمانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں دونوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں رابرٹ کلائیو نے غیر معمولی صلاحیت اور بہادری کا ثبوت دیا۔ اس کے بعد اس نے ترقی کی اور اس کو انگریزی فوج میں کمانڈر انچیف کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ جس کلائیو نے مایوس ہو کر خود اپنے ہاتھ سے اپنے اوپر پستول چلا لیا تھا، اسی کو اس کے بعد یہ مقام ملا کہ برطانیہ کی تاریخ میں اس کو ہندوستان کے اولین فاتح کی حیثیت سے لکھا جائے۔

ہم میں سے ہر شخص کے ساتھ یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ وہ کسی شدید خطرہ میں پڑنے کے باوجود معجزاتی طور پر اس سے بچ جاتا ہے۔ تاہم بہت کم لوگ ہیں جو رابرٹ کلائیو کی طرح اس سے سبق

Scanned with CamScanner

لیتے ہوں۔ جو اس طرح کے واقعات میں قدرت کا یہ اشارہ پڑھ لیتے ہوں کہ۔۔۔۔۔ابھی تمھارا وقت نہیں آیا، ابھی دنیا میں تم کو اپنے حصہ کا کام کرنا باقی ہے۔

ہر آدمی کو دنیا میں کام کرنے کی ایک مدت اور کچھ مواقع دئے گئے ہیں۔ یہ مدت اور مواقع اس سے اس وقت تک نہیں چھنتے جب تک خدا کا لکھا پورا نہ ہو جائے۔ اگر رات کے بعد خدا آپ کے اوپر صبح طلوع کرے تو سمجھ لیجئے کہ خدا کے نزدیک ابھی آپ کے عمل کے کچھ دن باقی ہیں۔ اگر آپ حادثات کی اس دنیا میں اپنی زندگی کو بچانے میں کامیاب ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے منصوبہ کے مطابق آپ کو کچھ اور کرنا ہے جو ابھی آپ نے نہیں کیا۔

جنت سب سے بڑا عطیہ

زمین و آسمان کی تمام چیزیں خدا کو سجدہ کر رہی ہیں۔ مگر ایک انسان جب سجدہ کرتے ہوئے اپنا سر زمین پر رکھتا ہے تو یہ تمام عالمِ کائنات کا سب سے زیادہ عجیب واقعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ دوسری چیزیں مجبورانہ سجدہ کر رہی ہیں، جب کہ انسان شعور اور ارادہ کے تحت اپنا سر خدا کے آگے جھکا دیتا ہے۔

انسان کے ذریعہ اس کائنات میں اختیاری محکومی کا واقعہ وجود میں آتا ہے جس سے بڑا کوئی دوسرا واقعہ نہیں۔ یہی انسان کی اصل قیمت ہے۔ انسان وہ نادر مخلوق ہے جو اس کائنات میں شعورِ قدرت کے مقابلہ میں شعورِ عجز کی دوسری انتہا بناتا ہے۔ وہ کائنات کے صفحہ پر ''ہے'' کے مقابلہ میں ''نہیں'' کا مضمون تحریر کرتا ہے۔ وہ خداوندی انا کے مقابلہ میں اپنے بے انا ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ وہ ہر قسم کا اختیار رکھتے ہوئے اپنے آپ کو خدا کے آگے بے اختیار کر لیتا ہے۔ وہ زبان رکھتے ہوئے خدا کی خاطر اس طرح چپ ہو جاتا ہے جیسے اس کے منھ میں زبان ہی نہیں۔ ایک شخص کا موحد بننا اس آسمان کے نیچے ظاہر ہونے والے تمام واقعات میں سب سے بڑا واقعہ ہے۔ جس کا انعام کوئی سب سے بڑی چیز ہی ہو سکتی ہے۔ اسی سب سے بڑی چیز کا نام جنت ہے۔ جنت کسی کے عمل کی قیمت نہیں، جنت کسی بندے کے لیے خدا کی سب سے بڑی بخشش ہے کہ اس کے بندے نے اپنے رب کو وہ چیز پیش کر دی جو کائنات میں کسی اور نے پیش نہ کی تھی، اس لئے خدا نے بھی اس کو وہ چیز دے دی جو اس نے کسی دوسری مخلوق کو نہیں دی تھی۔

Scanned with CamScanner

شہد کا سبق

شہد کی مکھیاں پھولوں کا جو رس جمع کرتی ہیں وہ سب کا سب شہد نہیں ہوتا۔ اس کا صرف ایک تہائی حصہ شہد بنتا ہے۔ شہد کی مکھیوں کو ایک پونڈ شہد کے لیے ۲۰ لاکھ پھولوں کا رس حاصل کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لیے مکھیاں تقریباً ۳۰ لاکھ اڑانیں کرتی ہیں۔ اور اس دوران میں وہ مجموعی طور پر ۵۰ ہزار میل تک کی مسافت طے کرتی ہیں۔ رس جب مطلوبہ مقدار میں جمع ہو جاتا ہے تو اس کے بعد شہد سازی کا عمل شروع ہوتا ہے۔

شہد اپنے ابتدائی مرحلہ میں پانی کی طرح رقیق ہوتا ہے۔ شہد تیار کرنے والی مکھیاں اپنے پروں کو پنکھے کی طرح استعمال کر کے فاضل پانی کو بھاپ کی مانند اڑا دیتی ہیں۔ جب یہ پانی اڑ جاتا ہے تو اس کے بعد ایک میٹھا سیال باقی رہ جاتا ہے جس کو مکھیاں چوس لیتی ہیں۔ مکھیوں کے مُنھ میں ایسے غدود ہوتے ہیں جو اپنے عمل سے اس میٹھے سیال مادہ کو شہد میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اب مکھیاں اس تیار شہد کو چھتے کے مخصوص طور پر بنے ہوئے سوراخوں میں بھر دیتی ہیں۔ یہ سوراخ دوسری مکھیاں موم کے ذریعہ حد درجہ کاریگری کے ساتھ بناتی ہیں۔ مکھیاں شہد کو ان سوراخوں میں بھر کر اس کو "ڈبہ بند" غذا کی طرح اہتمام کے ساتھ محفوظ کر دیتی ہیں تا کہ وہ آئندہ انسان کے کام آسکے۔

اس طرح کے بے شمار اہتمام ہیں جو شہد کی تیاری میں کیے جاتے ہیں۔ خدا ایسا کر سکتا تھا کہ طلسماتی طور پر اچانک شہد پیدا کر دے یا پانی کی طرح شہد کا چشمہ زمین پر بہا دے۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ خدا ہر قسم کی قدرت کے باوجود شہد کو اسباب کے ایک حد درجہ کامل نظام کے تحت تیار کرتا ہے۔ تا کہ انسان کو سبق ہو۔ وہ جانے کہ خدا نے دنیا کا نظام کس ڈھنگ پر بنایا ہے اور کن قوانین و آداب کی پیروی کر کے خدا کی اس دنیا میں کوئی شخص کامیاب ہو سکتا ہے۔

شہد کی مکھی جس طرح عمل کا کرتی ہے اس کو ایک لفظ میں منصوبہ بند عمل کہہ سکتے ہیں۔ یہی اصول انسان کے لیے بھی ہے۔ انسان بھی صرف اس وقت کوئی بامعنی کامیابی حاصل کر سکتا ہے جب کہ وہ منصوبہ بند عمل کے ذریعہ اپنے مقصد تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ منظم اور منصوبہ بند عمل ہی اس دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کا واحد یقینی طریقہ ہے، شہد کی مکھی کے لیے بھی اور انسان کے لیے بھی۔

Scanned with CamScanner

شکایت کا مزاج

ایک شخص نے کسی کے بارے میں کچھ شکایت کی بات کی۔ میں نے کہا کہ شکایت قاتلِ روحانیت ہے۔ شکایت اتنی زیادہ بری چیز ہے کہ آپ کو مطلقاً اُس سے دور رہنا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ شکایت سے مطلقاً کیسے بچا جا سکتا ہے، کیوں کہ شکایت کے اسباب اس دنیا میں ہمیشہ پیش آتے رہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہی تو آپ کا امتحان ہے کہ آپ شکایت کے باوجود بے شکایت بن کر اس دنیا میں رہیں، منفی تجربات کے باوجود آپ مثبت نفسیات میں جینا سیکھیں۔ یہی اس دنیا میں انسان کا امتحانی پرچہ (test-paper) ہے۔ ہر ایک کو اس امتحان سے گزرنا ہے۔ اِس امتحان میں کامیاب ہونے والا ہی کامیاب ہے، اور اس امتحان میں ناکام ہونے والا ہی ناکام۔ مزید یہ کہ یہ ناکامی بھی ابدی ہے، اور یہ کامیابی بھی ابدی۔

شکایت کوئی سادہ چیز نہیں۔ شکایت کے ساتھ ناشکری جڑی ہوئی ہے۔ جس دل میں شکایت ہوگی، وہ شکر کے جذبات سے محروم ہو جائے گا۔ مزید یہ کہ شکایت گندگی کے مانند ہے۔ گندگی کی ایک بوند پانی کے پورے ٹب کو گندا کر دیتی ہے۔ اِسی طرح شکایت کی تھوڑی مقدار بھی شکر کی نفسیات سے آدمی کو محروم کر دیتی ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ اس معاملے میں اتنا زیادہ حساس ہو کہ وہ کسی بھی حال میں شکر کا ایروژن (erosion) گوارا نہ کر سکے۔ وہ شکایت کی باتوں کو نظر انداز کرتا رہے، تاکہ اس کے شاکرانہ مزاج میں کوئی کمی نہ آنے پائے۔

اس مہلک برائی سے بچنے کا طریقہ صرف ایک ہے، اور وہ ہے آغاز ہی میں اُس کا خاتمہ کر دینا۔ تھوڑی سی شکایت کو بھی اتنا گھٹایئے، اتنا گھٹایئے کہ اس کو زیرو کے درجے تک پہنچا دیجئے۔ اور شکر کی تھوڑی سی بات کو بھی اتنا بڑھایئے، اتنا بڑھایئے کہ اس کو صد فی صد تک پہنچا دیجئے۔ یہی واحد تدبیر ہے جس کے ذریعے آپ اپنی شخصیت کو ایسا بنا سکتے ہیں کہ آپ کے اندر صرف شکر ہی شکر ہو، ناشکری کا ایک ذرہ بھی آپ کی شخصیت کے اندر باقی نہ رہے۔ شکر کے احساس میں جینے والوں کے لیے ابدی جنت ہے، اور ناشکری کے احساس میں جینے والوں کے لیے ابدی جہنم۔

Scanned with CamScanner

شکایت، شکایت، شکایت

قرآن کی سورہ یوسف میں ایک پیغمبر کی زبان سے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (12:86) یعنی میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کا شکوہ صرف اللہ سے کرتا ہوں۔

قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی انسان یا انسانوں سے کسی گروہ کے خلاف شکایت میں مبتلا ہو جائے۔ اس واضح قرآنی تعلیم کے باوجود کیوں ایسا ہے کہ تمام مسلمان شکایت کی نفسیات میں جیتے ہیں۔ ہر ایک نے کوئی دشمن یا ظالم دریافت کر رکھا ہے۔ جس کے خلاف وہ تقریر یا تحریر کی صورت میں شکایت کی زبان استعمال کرتا رہتا ہے۔ یہ ایک عمومی گمراہی ہے جو مشرق سے مغرب تک تمام مسلمانوں میں کم و بیش چھائی ہوئی ہے۔

اس کا سبب کیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں نے شکایت کو حق و انصاف کے مسئلے سے جوڑ رکھا ہے۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے خلاف ظلم اور دشمنی کا معاملہ کیا جا رہا ہے۔ ایسی حالت میں ازروئے انصاف ہم کو حق ہے کہ ہم شکایت کی زبان بولیں۔ یہ ایک جائز کردہ برائی (justified evil) کا معاملہ ہے۔ اسی کی بابت کہا گیا ہے کہ شکایت کا تعلق کسی دوسرے سے نہیں، بلکہ انسان کی اپنی ذات سے ہے۔ شکایت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ انسان کے اندر منفی سوچ آجاتی ہے اور منفی سوچ بلاشبہ تمام نیکیوں کی قاتل ہے۔ اسی بنا پر اسلام میں دوسروں کے لیے دعوت ہے، دوسرے کے لیے شکایت نہیں۔ موجودہ زمانے کے مسلمان کا کیس ایک لفظ میں وکٹم ہڈ (victimhood) کا کیس ہے۔ موجودہ زمانے کے مسلمانوں عام طور پر زیادتی کے احساس (feeling of victimhood) میں جی رہے ہیں۔ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی اصلاح کا صحیح آغاز یہ ہے کہ اُن کے اس منفی احساس کو بدل کر اُن کے اندر صحیح احساس پیدا کیا جائے۔ یہ صرف اُس وقت ہو سکتا ہے جب کہ مسلمانوں کو ذہنی اعتبار سے اِس کے لیے تیار کیا جائے کہ تم جن شکایتوں کو لے کر احساسِ محرومی میں مبتلا ہو، وہ زندگی کے حقائق ہیں، وہ چیلنج کے واقعات ہیں، نہ کہ ظلم کے واقعات۔

Scanned with CamScanner

ڈسکوری، ری ڈسکوری

قرآن کی سورہ آل عمران کی ایک آیت میں بتایا گیا ہے کہ۔۔۔ جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی، پھر تمھارے پاس پیغمبر آئے جو سچا ثابت کرے اُن پیشین گوئیوں کو جو تمھارے پاس ہیں تو تم اُس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ اللہ نے کہا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا۔ انھوں نے کہا: ہم اقرار کرتے ہیں۔ فرمایا: اب گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔ (3:81)

قرآن کی اِس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حق پر وہ ایمان مطلوب ہے جو معرفت کے درجے میں ہو۔ پیغمبر کے معاصرین میں سے جو لوگ پیغمبر پر ایمان لاتے ہیں، وہ معرفت کے درجے میں سچائی کو دریافت کرکے اس کو قبول کرتے ہیں۔ لیکن پیغمبر کی امت اپنے بعد کے زمانے میں صرف پیدائشی ایمان پر قائم ہوجاتی ہے۔ یہ پیدائشی ایمان اللہ کو مطلوب نہیں، اِس لیے بعد کے زمانے میں ضروری ہوجاتا ہے کہ امت معرفت والے ایمان کا ثبوت دے۔

مثلاً قدیم زمانے میں امتِ موسیٰ کے لیے ضروری تھا کہ وہ حضرت مسیح کی سطح پر دوبارہ معرفت والے ایمان کا ثبوت دیں۔ اِسی طرح امتِ مسیح کے لیے ضروری تھا کہ وہ حضرت محمد کی سطح پر ایمان کی شعوری دریافت کریں اور دوبارہ اپنے آپ کو معرفت والے ایمان پر قائم کریں۔

اب ختمِ نبوت کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں، لیکن مذکورہ قانون بدستور باقی ہے۔ بعد کے زمانے میں امتِ مسلمہ کی نجات کے لیے پیدائشی ایمان کافی نہیں ہوسکتا۔ امت کے افراد کو بعد کے زمانے میں دوبارہ معرفت والے ایمان کا ثبوت دینا ہے۔ اُن کو یہ کرنا ہے کہ وہ غور وفکر کے ذریعے دینِ خداوندی کو دوبارہ زندہ شعور کی سطح پر دریافت کریں۔ اِس سے کم کوئی چیز اللہ کے یہاں قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ بعد کے زمانے میں غیر اہلِ ایمان کو ڈسکوری کی سطح پر خدا کے دین کو پانا ہے، اور اہلِ ایمان کو ری ڈسکوری کی سطح پر۔

Scanned with CamScanner

خدااورانسان

مسٹراے اور مسٹر بی کے درمیان ایک پراپرٹی کے بارے میں نزاع پیدا ہوا۔ مسٹراے کا کہنا تھا کہ یہ پراپرٹی ان کی ہے اور مسٹر بی نے غلط کارروائی کر کے اُس پر ناجائز قبضہ کرلیا ہے۔ دونوں کے درمیان کافی بات چیت ہوئی، لیکن مسٹر بی اپنی غلطی ماننے پر تیار نہیں ہوئے۔ آخر کار مسٹراے نے مسٹر بی سے کہا کہ اگر آپ خدا کی کتاب اپنے ہاتھ میں لے کر یہ کہہ دیں کہ یہ پراپرٹی آپ کی ہے، تو میں آپ کے دعوے کو مان لوں گا اور پراپرٹی پر آپ کا قبضہ تسلیم کرلوں گا۔ مسٹر بی نے اس کے جواب میں کہا۔۔۔ اس میں خدا کہاں سے آگیا:

How does God come into the picture.

موجودہ زمانے میں یہی تقریباً تمام لوگوں کا حال ہے۔ ہر ایک اپنی مرضی کے مطابق، جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، اور جب اس کو خدا سے ڈرایا جائے تو وہ زبانِ حال یا زبانِ قال سے کہہ دیتا ہے کہ۔۔۔ اس میں خدا کہاں سے آگیا۔

یہ معاملہ صرف عوام کا نہیں ہے، بلکہ خواص بھی اسی میں مبتلا ہیں۔ مثلاً موجودہ زمانے میں جب طبیعی سائنس میں ترقی ہوئی اور فطرت کے قوانین دریافت کیے گئے، تو جدید تعلیم یافتہ طبقے نے عام طور پر، خدا کو کائنات سے خارج کر دیا۔ انھوں نے کہا جب سارے واقعات فطرت کے قوانین کے تحت ہو رہے ہیں، تو پھر کائنات کی توجیہہ کے لیے خدا کو ماننے کی کیا ضرورت۔

خدا اس دنیا کا خالق اور مالک ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ ساری تاریخ میں انسان، خدا کو وہ اہمیت نہ دے سکا جو اہمیت اس کو دینا چاہیے تھا۔ انسان کا اپنا وجود مکمل طور پر خدا کا عطیہ ہے۔ مال اور اولاد کی صورت میں جو کچھ بھی اس کے پاس ہے، وہ خدا کا دیا ہوا ہے۔ روشنی اور آکسیجن اور غذا اور پانی جیسی چیزیں انسان کو مسلسل طور پر حاصل رہتی ہیں۔ اِن چیزوں کا دینے والا بھی صرف خدا ہے۔ مگر اس سب سے بڑی حقیقت کا پوری تاریخ میں سب سے کم اعتراف کیا گیا ہے۔ انسان کے پاس خدا کو دینے کے لیے صرف ایک ہی چیز تھی اور وہ تھا اس کا اعتراف، مگر انسان اِسی واحد چیز کو دینے میں ناکام ہوگیا۔

Scanned with CamScanner

تخلیق کس لئے

آج پوری انسانیت شعوری یا غیر شعوری طور پر اس سوال سے دوچار ہے۔ آج ہر انسان یہ جاننا چاہتا ہے کہ موجودہ دنیا میں اس کے آنے کا حقیقی مقصد کیا ہے۔ زندگی کیا ہے اور موت کیا۔ کائنات کے وسیع نقشے میں اس کا مقام کیا ہے۔ وہ کون سا راستہ ہے، جس پر چل کر وہ اپنی اس مطلوب منزل تک پہنچ سکتا ہے، جو اس کے دماغ میں بسی ہوئی ہے۔

وہ دنیا جس کو جدید دنیا کہا جاتا ہے، وہ پوری بشری تاریخ کا ایک انوکھا دور ہے۔ انسان ہر زمانے میں اپنے اندر کچھ آرزوئیں لے کر پیدا ہوتا تھا۔ وہ ان آرزوؤں کی تکمیل نہیں کر سکتا تھا اور محرومی کے احساس کے ساتھ مر جاتا تھا۔

موجودہ دنیا میں بظاہر ان آرزوؤں کی تکمیل کا سامان حاصل ہو چکا ہے۔ جس اڑن کھٹولے کا تصور صرف کہانیوں میں پایا جاتا تھا وہ اب ہوائی جہاز کی صورت میں ایک واقعہ بن چکا ہے۔ جو عالمی کمیونیکیشن صرف افسانوی کبوتر کے ذریعے مقصود تھا وہ اب جدید کمیونی کیشن کے ذریعے ایک عملی واقعہ بن چکا ہے۔

یہی معاملہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں ہوا ہے۔ قدیم زمانے کے تمام خواب بظاہر آج واقعہ بن چکے ہیں۔ قدیم زمانے کے افسانوی شہر اب بظاہر عملاً بنائے جا چکے ہیں جن کے اندر دنیا بھر میں عورت اور مرد رہ رہے ہیں۔ قدیم زمانے کی افسانوی زندگی اب بظاہر واقعہ بن چکی ہے۔

لیکن جہاں تک حقیقی خوشی کا سوال ہے، انسان آج بھی حقیقی خوشی حاصل نہ کر سکا۔ درخت کی شاخوں پر چہچہانے والی چڑیاں خوش ہوں گی لیکن انسان اب بھی خوشی سے محروم ہے۔ آج دنیا کے بازار میں ہر چیز مل سکتی ہے، مگر سکون کا سرمایہ کسی بازار میں میسر نہیں۔

اس اَلم ناک صورت حال کا واحد سبب ایک ہے اور وہ ہے۔۔۔۔ صرف، قبل از موت دورِحیات (pre-death period) کو سامنے رکھ کر زندگی کو اکسپلین (explain) کرنے کی کوشش کرنا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ زندگی کا ایک بعد از موت دورِحیات (post-death period) ہے، اور اس ابدی دورِحیات کو شامل کیے بغیر زندگی کی اطمینان بخش توجیہ کرنا ممکن نہیں۔

اصل یہ ہے کہ خالق کے کریشن پلان (creation plan) کے مطابق، انسان کی زندگی دو دوروں میں تقسیم ہے۔۔۔قبل از موت دور، اور بعد از موت دور۔قبل از موت دور کی مدت حیات گویا فصل بونے کی مدت ہے اور بعد از موت دور کی مدت حیات گویا پھل حاصل کرنے کی مدت۔اس دنیا کا قانون یہ ہے کہ فصل کے بغیر پھل نہیں اور پھل کے بغیر زراعت کی کوئی معنویت نہیں۔انسانی زندگی کے اس معاملے کو جانے بغیر، انسانی زندگی کی اطمینان بخش توجیہہ کرنا ممکن نہیں۔

کامل دنیا

دنیا انتہائی لذیذ ہے مگر اسکی لذتیں چند لمحے سے زیادہ باقی نہیں رہتیں۔دنیا بے پناہ حد تک حسین ہے مگر اس کو دیکھنے والی آنکھ بہت جلد بے نور ہو جاتی ہے۔دنیا میں عزت اور خوشی حاصل کرنا انسان کو کتنا زیادہ مرغوب ہے مگر دنیا کی عزت اور خوشی آدمی ابھی پوری طرح حاصل نہیں کر پاتا کہ اس پر زوال کا قانون جاری ہو جاتا ہے۔دنیا میں وہ سب کچھ ہے جس کو انسان چاہتا ہے مگر اس سب کچھ کو حاصل کرنا انسان کے لئے ممکن نہیں، حتیٰ کہ اس خوش قسمت انسان کے لئے بھی نہیں جو بظاہر سب کچھ حاصل کر چکا ہو۔ ہر آدمی کچھ ایسی محدودیتوں میں گھیرا ہوا ہے کہ وہ پا کر بھی نہیں پاتا۔کامیاب ہونے کے بعد بھی خوشیوں کا چمن اس کے لئے نہیں اگتا۔

انسان ایک کامل وجود ہے مگر اس کا المیہ یہ ہے کہ اس کو کامل دنیا حاصل نہیں۔انسان کی زندگی اس وقت تک بے معنی ہے جب تک اس کو ایک ایسی دنیا نہ ملے جو ہر قسم کی محدودیت اور ناموافق حالات سے پاک ہو۔

خدا نے یہ کامل دنیا جنت کی صورت میں بنائی ہے۔مگر یہ دنیا کسی کو اپنے آپ نہیں مل سکتی۔اس آنے والی مکمل دنیا کی قیمت موجودہ نامکمل دنیا ہے۔جو شخص اپنی موجودہ دنیا کو آنے والی دنیا کے لئے قربان کر سکے وہی آنے والی جنتی دنیا کو پائے گا۔جو شخص اس قربانی کے لئے تیار نہ ہو وہ بھی اگرچہ موت کے بعد ابدی دنیا میں داخل ہوگا، مگر اس کے لئے یہ ابدی دنیا حسرتوں اور مایوسیوں کی دنیا ہوگی نہ کہ خوشیوں اور لذتوں کی دنیا۔

Scanned with CamScanner

استثنائی دنیا

قرآن کی سورہ نمبر 95 میں یہ الفاظ آئے ہیں: وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ o وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ o وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ o لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِىْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین: 1-4) اس سورہ میں تین، زیتون، طور سینین اور بلد امین، یہ سب علامتی الفاظ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کرہ ارض (planet earth) جہاں پھل دار درخت ہیں، سرسبز پہاڑ ہیں، اور پر رونق شہر آباد ہیں، وہ ایک حقیقت کی گواہی دے رہے ہیں۔ وہ یہ کہ یہ زمین جس پر انسان کو آباد کیا گیا ہے، ایک استثنائی سیارہ (exceptional planet) ہے۔ اس قسم کی دنیا وسیع کائنات میں کہیں موجود نہیں۔ پھر اس زمین پر انسان کو بسایا گیا ہے، ایسا انسان جس قسم کی کوئی دوسری مخلوق ساری کائنات میں کہیں موجود نہیں۔

اس غیر معمولی اہتمام کے باوجود اس دنیا میں ایک انوکھا تضاد (strange contradiction) پایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ انسان بظاہر سب سے اعلیٰ مخلوق ہے۔ لیکن عملاً اس دنیا میں اس کو جن حالات کے درمیان رہنا پڑتا ہے وہ اس کے لئے اسفل سافلین (lowest of the low) کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ استثناء (exception) اور یہ تضاد (contradiction) ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔ وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ یہ پکار رہا ہے کہ اس انوکھی صورتِ حال کی توجیہ کیا ہے۔ اس صورت حال کی درست توجیہہ کے بغیر یہ دنیا ایک ناقابل فہم ظاہرہ (unexplainable phenomenon) بن جاتی ہے۔ سورہ کی اگلی آیتوں میں اس سوال کا جواب ہے۔

سورہ کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائیں اور عمل صالح کریں تو ان کے لئے آخرت کی دنیا میں کبھی ختم نہ ہونے والا اجر (unending reward) ہے۔ اس آیت میں ایمان سے مراد سچائی کی دریافت ہے، اور عمل صالح سے مراد یہ ہے کہ آدمی اس دریافت کردہ سچائی کے مطابق عمل کرے۔ جو لوگ اس کا ثبوت دیں، وہ برے انجام سے بچ جائیں گے اور خالق عالم کی طرف سے اعلیٰ انعام کے مستحق قرار پائیں گے۔

Scanned with CamScanner

دنیا کا قانون

گائے دودھ دیتی ہے۔ یہ ہر آدمی جانتا ہے۔ مگر بہت کم لوگ ہیں جو یہ سوچتے ہوں کہ گائے کیسے دودھ دیتی ہے۔ گائے دودھ جیسی چیز دینے کے قابل صرف اس وقت بنتی ہے جب کہ وہ گھاس کو دودھ میں کنورٹ (تبدیل) کر سکے۔ گائے جب اس انوکھی صلاحیت کا ثبوت دیتی ہے کہ وہ کم تر چیز کو اعلیٰ چیز میں تبدیل کر سکتی ہے، اسی وقت یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ خدا کی دنیا میں دودھ جیسی قیمتی چیز فراہم کرنے والی بنے۔

یہی حال درخت کا ہے۔ درخت سے آدمی کو دانہ اور سبزی اور پھل ملتا ہے۔ مگر ایسا کب ہوتا ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کہ درخت اس صلاحیت کا ثبوت دے کہ اس کے اندر مٹی اور پانی ڈالا جائے اس اس کو وہ تبدیل کر کے دانہ اور سبزی اور پھل کی صورت میں ظاہر کرے درخت کے اندر ایک کم تر چیز داخل ہوتی ہے اور اس کو وہ اپنے اندرونی میکانزم کے ذریعہ تبدیل کر دیتا ہے اور اس کو برتر چیز کی صورت میں باہر لاتا ہے۔

یہی معاملہ انسانی زندگی کا بھی ہے۔ زندگی بھی اس قسم کا امتحان ہے۔ موجودہ دنیا میں انسان کے ساتھ بھی یہی ہوتا ہے کہ اس کو محرومیوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس کو ناخوش گوار حالات پیش آتے ہیں۔ یہاں دوبارہ انسان کی کامیابی یہ ہے کہ وہ اپنے ناموافق حالات کو موافق حالات میں تبدیل کر سکے۔ وہ اپنی ناکامیوں کے اندر سے کامیابی کا راستہ نکال لے۔

یہی دنیا کا قانون ہے۔ انسان کے لیے بھی اور غیر انسان کے لیے بھی۔ جو کوئی اس خاص صلاحیت کا ثبوت دے، وہی اس دنیا میں کامیاب ہے، اور جو اس صلاحیت کا ثبوت دینے میں ناکام رہے وہ خدا کی اس دنیا میں اپنے آپ کو ناکامی سے بھی نہیں بچا سکتا۔

خدا کی گائے گویا خدا کی مرضی کا اعلان ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس دنیا میں خدا کو ہم سے کیا مطلوب ہے۔ خدا کو ہم سے یہ مطلوب ہے کہ ہمارے اندر "گھاس" داخل ہو اور وہ "دودھ" بن کر باہر نکلے۔ لوگ ہمارے ساتھ برائی کریں تب بھی ہم ان کے ساتھ بھلائی کریں۔ ہمارے ساتھ ناموافق حالات پیش آئیں تب بھی ہم ان کو موافق حالات میں تبدیل کر سکیں۔

Scanned with CamScanner

بھیڑ کے درمیان سناٹا

دین جب قومی روایت بن جائے تو ایک نیا عجیب وغریب منظر سامنے آتا ہے۔ دین کے نام پر طرح طرح کی ظاہری دھوم بہت بڑھ جاتی ہے مگر اصل دین اتنا نایاب ہوتا ہے کہ ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں ملتا۔

یہی حال آج ملت کا ہو رہا ہے۔ نمازیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے مگر اللہ کے ڈر سے جھکنے والے نظر نہیں آتے۔ دین کی خاطر بولنے والے بہت ہیں مگر دین کی خاطر چپ ہو جانے والا کوئی نہیں۔ ملت کو بربادی سے بچانے کے لئے ہر شخص مجاہد بنا ہوا ہے مگر فرد کو بربادی سے بچانے کے لئے کوئی بے قرار نہیں ہوتا۔ اپنی حق پرستی کو جاننے کا ماہر ہر ایک ہے مگر دوسرے کی حق پرستی کو جاننے کی ضرورت کسی کو محسوس نہیں ہوتی۔ چوک پر خدا پرستی کا مظاہرہ کرنے والوں کی ہر طرف بھیڑ لگی ہوئی ہے مگر تنہائیوں میں خدا پرست بننے سے کسی کو دلچسپی نہیں۔ خدا کے دین کو ساری دنیا میں غالب کرنے کا چیمپین ہر آدمی بنا ہوا ہے مگر خدا کے دین کو اپنی زندگی میں غالب کرنے کی فرصت کسی کو نہیں۔ اچھے الفاظ کا بھنڈار ہر ایک کے پاس موجود ہے۔ مگر اچھے عمل کا خزانہ کسی کے پاس نہیں۔ جنت کی کنجیوں کے گچھے ہر ایک کے پاس ہیں مگر جہنم کے اندیشے سے تڑپنے کی ضرورت کوئی محسوس نہیں کرتا۔ دنیوی رونقوں والے اسلام کی طرف ہر شخص دوڑ رہا ہے مگر اس اسلام سے کسی کو دلچسپی نہیں جو زندگی میں آخرت کا زلزلہ پیدا کر دے۔

انسانوں کی بھیڑ کے درمیان سناٹے کا یہ عالم شاید آسمان نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔

مولانا وحید الدین خان کی اردو اور انگریزی کتابیں، دعوتی لٹریچر، ماہنامہ الرسالہ اور انگریزی رسالہ خریدنے کے لیے رابطہ فرمائیں۔: 03344856560 03334689950

ماہنامہ الرسالہ انٹرنیٹ پر فری پڑھنے کے لیے ویب سائٹ وزٹ کریں

http://cpsglobal.org/alrisala

مولانا وحید الدین خاں کی کتابیں انٹرنیٹ پر فری پڑھنے کے لیے ویب سائٹ وزٹ کریں

http://cpsglobal.org/books/mwk

Scanned with CamScanner

اختلاف کے باوجود

علماء سلف کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے درمیان دینی مسائل میں کثرت سے اختلاف پایا جاتا تھا۔ اس کے باوجود ہر عالم دوسرے عالم کا احترام کرتا تھا۔ اِس سلسلے میں یہاں دو واقعات نقل کیے جاتے ہیں: ”ابن عبد البر نے نقل کیا ہے کہ امام احمد بن جنبل اور علی بن المدینی کے درمیان ایک مسئلے پر بحث ہوئی اور بحث ایسی ہوئی کہ دونوں طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ آپ میں بدمزگی پیدا ہوجائے گی، لیکن علی بن المدینی واپس جانے لگے تو امام احمد بن جنبل نے ان کے ساتھ اس درجہ احترام کا معاملہ کیا کہ آگے بڑھ کر ان کی رکاب تھام لی (جامع بیان العلم: 2/107)۔

اسی طرح یونس صدفی امام شافعی کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں۔ ایک دن ایک مسئلے میں استاذ سے خوب بحث ہوئی، پھر جب اگلی ملاقات ہوئی تو امام شافعی نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ کیا یہ بات بہتر نہ ہوگی کہ ہم بھائی بھائی بن کر رہیں، خواہ کسی مسئلے میں بھی ہمارے درمیان اتفاق پیدا نہ ہوسکے: الا یستقیم ان نکون اخواناً وان لم نتفق فی مسالۃ“۔ (سیر اعلام النبلاء: 10/16، بحوالہ: ماہ نامہ الفرقان، لکھنو، جون 2014، صفحہ: 41)

اس طرح کے واقعات کا مطلب صرف باہمی احترام (mutual respect) نہیں ہے، بلکہ ان واقعات میں ایک اور زیادہ بڑا پہلو ہے اور وہ ہے اختلاف رائے (difference of opinion) کا احترام۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ اختلافِ رائے کو علمی پہلو سے دیکھنا، نہ کہ شخصی پہلو سے۔

اختلافِ رائے کا احترام کوئی سادہ بات نہیں، اس کا براہِ راست تعلق ذہنی ارتقا سے ہے۔ جس ماحول میں اختلاف رائے کو برا نہ سمجھا جائے، وہاں لازماً ڈسکشن کا ماحول ہوگا۔ لوگ علمی دلائل کے ذریعے اپنا اپنا نقطہ نظر بیان کریں گے۔ جہاں اختلافِ رائے کو برا سمجھنے کے بجائے اختلافِ رائے کا احترام پایا جاتا ہو، وہاں ذہنی جمود نہ ہوگا، بلکہ ایسے ماحول میں ذہنی ارتقا کا عمل جاری رہے گا اور ذہنی ارتقا بلاشبہہ کسی انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

Scanned with CamScanner

فرد کی سطح پر

ایک شخص بائیسکل پر سفر کر رہا تھا۔ اچانک اس کا بریک جام ہو گیا۔ وہ اتر کر سائیکل ساز کے پاس گیا۔ مسافر کا خیال تھا کہ جس مقام پر اس کا بریک جام ہوا ہے، سائیکل ساز اسی مقام پر ہاتھ لگا کر اس کو درست کرے گا۔ مگر سائیکل ساز نے ہتھوڑی لی اور بالکل دوسرے مقام پر ٹھونکنا شروع کر دیا۔ مسافر ابھی اپنی حیرت کا اظہار بھی نہیں کر پایا تھا کہ مستری نے کہا "بس ٹھیک ہے، لے جائیے" اگلے لمحہ سائیکل اپنے مسافر کو لیے ہوئے دوبارہ سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

یہی معاملہ انسانی زندگی کا بھی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ظاہری اسباب کو دیکھ کر سمجھ لیتا ہے کہ خرابی یہاں ہے۔ وہ اسی مقام پر ٹھونک پیٹ شروع کر دیتا ہے۔ مگر خرابی دور نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خرابی کی اصل جڑ کہیں اور ہوتی ہے اور جب تک اصل جڑ کی اصلاح نہ کی جائے۔ خرابی کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

مثلاً قوم کے اندر اتحاد نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔ لوگ آپس کے اختلاف میں غیروں سے مل جاتے ہیں۔ ان کی کوئی اجتماعی آواز نہیں ہے، وغیرہ۔ ان مظاہر کو دیکھ کر ایک شخص کے اندر کچھ کرنے کا جذبہ اٹھتا ہے اور وہ فوراً اجتماع اور کنونشن کی اصطلاحات میں سوچنے لگتا ہے۔ اس کو کام یہ نظر آتا ہے کہ قوم کے افراد کو جمع کر کے پُرجوش تقریریں کی جائیں۔ رزولیشن پاس کیے جائیں۔ وغیرہ۔

مگر یہ مسئلہ کا حل نہیں۔ یہ گویا علامتوں پر محنت کرنا ہے۔ حالاں کہ اصلی حل یہ ہے کہ سبب پر محنت کی جائے۔ زندگی میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مسئلہ بظاہر کہیں اور پیدا ہوتا ہے اور اس کے حل کا راز کہیں اور ہوتا ہے۔ مثلاً قوم کے اندر اگر اتحاد نہیں ہے تو اس کا سبب افراد کی بے اتحادی ہوگی۔ ایسی حالت میں آپ "اتحاد کانفرنس" کر کے لوگوں کے اندر اتحاد پیدا نہیں کر سکتے۔ پہلے فرد کی سطح پر اتحاد پیدا کیجئے۔ اس کے بعد قوم کی سطح پر اپنے آپ اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ اس دنیا کا قانون یہ ہے کہ یہاں "پھل" پر محنت کرنے والے کو پھل نہیں ملتا۔ یہاں پھل صرف وہ شخص پاتا ہے جس نے "بیج" پر محنت کرنے کا ثبوت دیا ہو۔

Scanned with CamScanner

مغرب کا ایجنڈا

موجودہ زمانے کے علماء اور مسلم دانشور عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ دنیائے اسلام کے بارے میں مغرب کا ایک ایجنڈا ہے اور اس ایجنڈے کو وہ پوری طاقت کے ساتھ نافذ کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں بطور مثال یہاں ایک حوالہ نقل کیا جاتا ہے۔ یہ حوالہ موجودہ مسلم دنیا کے مشہور دانشور ڈاکٹر محمود احمد غازی (وفات: 2010) کا ہے۔ انھوں نے الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ، پاکستان کے تحت ایک محاضرے میں بتایا کہ 2003 میں وہ جرمنی کی ایک کانفرنس میں شریک ہوئے۔ اِس کا عنوان یہ تھا:

Is Islam a Threat to the West and Europe?

اس کانفرنس میں ڈاکٹر محمود احمد غازی نے کہا کہ مسلم مفکرین کی بڑی تعداد کا نقطہ نظر مغرب کے بارے میں یہ ہے کہ اس کے مثبت پہلوؤں سے مسلمانوں کو استفادہ کرنا چاہئے اور اس کے منفی پہلوؤں کو قبول نہیں کرنا چاہئے۔ انھوں نے بتایا کہ اس کے جواب میں کانفرنس میں موجود مغربی نمائندوں نے کہا کہ مغرب ان شرائط پر اپنی ٹکنالوجی اور اپنی تہذیب وتمدن سے آپ کو استفادہ کرنے کی اجازت دینے کو تیار نہیں ہوگا۔ یہ ایک پورا پیکج ہے جس کو آپ کو جوں کا توں قبول کرنا پڑے گا۔ اِس میں مغرب آپ کو اخذ وانتخاب (pick and choose) کی اجازت نہیں دے گا (ماہ نامہ الشریعہ، مارچ 2005، صفحہ: 10.12)

یہ پورا بیان عصر حاضر سے بے خبری کی پیداوار ہے۔ اِس معاملے میں عصر حاضر کا ذہن وہی ہے جو امریکا کے بارے میں کہا گیا ہے، یعنی:

The business of america is business

اصل پہلو یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کمرشلائزیشن (commercialization) کا زمانہ ہے۔ موجودہ زمانے کی تشکیل اصلاً جدید صنعت (modern industrialization) نے کی ہے۔ اِس جدید دور میں ہر چیز ایک قابلِ فروخت آئٹم (purchasable item) بن چکی ہے۔ اگر آپ پرائس دے سکتے ہوں تو آپ سوئی سے

Scanned with CamScanner

لے کر ہوائی جہاز تک ہر چیز خرید سکتے ہیں، اور اگر آپ پرائس دینے کی پوزیشن میں نہ ہوں تو موجودہ زمانے میں آپ کو کوئی چیز ملنے والی نہیں۔ اس معاملے میں مغرب کا اپنا کوئی ایجنڈا نہیں۔ ایجنڈا کا تصور مسلم ذہن کی پیداوار ہے۔ جہاں تک مغرب کا تعلق ہے، اُس کا کنسرن صرف یہ ہے کہ وہ دنیا سے تیل اور خام اشیاء حاصل کرے اور پھر اپنا پروڈکٹ تیار کر کے اس کو ساری دنیا میں مہنگے داموں میں فروخت کرے۔

''ایجنڈا'' کا تصور تمام تر مسلم ذہن کی پیداوار ہے جو کہ اپنے تعصبات کی بنا پر مغرب سے کامل طور پر بے خبر ہیں۔ اس بے خبری کے نتیجے میں مسلمانوں کو صرف ایک چیز ملی ہے، اور وہ ہے مغرب سے بے بنیاد نفرت، اس کے سوا جدید دور سے کوئی بھی مثبت چیز مسلمان حاصل نہ کر سکے۔ اس صورت حال کو بیان کرنے کے لیے میرے پاس صرف ایک لفظ ہے اور وہ ہے ---- فکری دیوالیہ پن (intellectual bankruptcy)۔

مسلم علماء اور دانش وروں کا یہ فکری دیوالیہ پن بہت قدیم ہے۔ اس سے پہلے جب نوآبادیات کا دور آیا تو تمام علما اور مسلم دانش وروں نے اُس کو اِسی منفی معنی میں لیا اور غیر ضروری طور پر وہ اس کے خلاف نفرت کلچر اور تشدد کلچر میں مبتلا ہو گئے۔ حالاں کہ نوآبادیاتی قومیں جو اپنے علاقے سے نکل کر ایشیا اور افریقہ میں داخل ہوئی تھیں، اُن کا مقصد اصلاً اپنی صنعتی پیداوار کے لیے بازار (market) حاصل کرنا تھا۔ دوسری چیزیں جو اُن کے ساتھ آئیں، وہ نوآبادیاتی نظام کا اضافی حصہ تھیں، نہ کہ حقیقی حصہ۔

اس سنگین بے خبری کا نہایت مہلک انجام ہوا۔ اولاً یہ کہ اپنے منفی ذہن کی بنا پر مسلمان مغربی تہذیب سے کچھ سیکھنے سے محروم رہے۔ دوسرا شدید تر نقصان یہ تھا کہ مغربی قوموں کو انھوں نے دشمن کے خانے میں ڈال دیا، وہ ان کو مدعو سمجھنے سے قاصر رہے۔ اس بنا پر وہ مغربی قوموں کے اوپر اپنی داعیانہ ذمے داری کو ادا نہ کر سکے۔

Scanned with CamScanner

مذہبی انتہا پسندی

مذہبی انتہا پسندی (religious extremism) کیا ہے۔ مذہبی انتہا پسندی دراصل دور زوال کا ایک ظاہرہ ہے ۔ کوئی امت جب بعد کے زمانے میں زوال (degeneration) کا شکار ہوتی ہے تو اُس وقت امت کے اندر وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے جس کو مذہبی انتہا پسندی کہا جاتا ہے۔ زوال کا تعلق فطرت کے ایک قانون سے ہے۔ اِس میں کسی امت کا کوئی استثنا نہیں۔

موجودہ زمانے میں امتِ مسلمہ اپنے دورِ زوال میں ہے، اور زوال کے دوسرے مظاہر کی طرح اس کے اندر مذہبی انتہا پسندی آچکی ہے۔ قرآن اور حدیث میں مذہبی انتہا پسندی کے لیے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے، وہ غلو ہے۔ کسی امت کی بعد کی نسلوں میں جب زوال آتا ہے تو اُس وقت فطری قانون کے تحت ایسا ہوتا ہے کہ امت کے افراد میں دین کی اسپرٹ ختم ہو جاتی ہے ۔ اُن کے درمیان صرف دین کا فارم باقی رہتا ہے ۔ مذہبی انتہا پسندی دراصل مبنی بر فارم مذہب کا دوسرا نام ہے۔

کسی امت کے دورِ زوال میں جب مبنی بر فارم مذہب کا رواج ہو جائے تو ایسا ہوتا ہے کہ دین کے ہر معاملے میں ظواہر کو اہم سمجھ لیا جاتا ہے۔ اُس وقت فطری طور پر ایسا ہوتا ہے کہ قرآن میں صحتِ تلفظ کو ساری اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ عبادت کے معاملے میں خشوع کے بجائے ارکان کی ادائیگی کو سب کچھ سمجھ لیا جاتا ہے۔ دینی احکام کے معاملے میں ساری بحث اس کے فنی پہلوؤں پر مرتکز ہو جاتی ہے ۔ اسلامی زندگی کا مطلب یہ بن جاتا ہے کہ ایک ظاہری شناخت (identity) کو اختیار کر لیا جائے ۔ اسلامی دعوت کا مطلب یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ مروجہ سیاسی نظام کو توڑ کر اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسلامی حکومت کا مطلب یہ سمجھ لیا

Scanned with CamScanner

جاتا ہے کہ بالجبر لوگوں کے اوپر شرعی حدود قائم کی جائے۔ اسلامی مفاد کا مطلب یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ تمام قوموں کو اسلام دشمن قرار دے کر اُن کے خلاف نفرت اور تشدد کا ہنگامہ کیا جائے، وغیرہ۔

کسی امت کا دورِ زوال میں پہنچنا کیا ہے، وہ ایک عمومی مثال کے مطابق، تاڑ سے گر کر کھجور پر اٹکنا ہے۔ ایسے وقت میں امت کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ عام قوموں کی طرح صرف ایک مادی قوم بن جاتی ہے۔ تاہم اپنی تاریخی روایات کے مطابق، اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنے دین سے قطع تعلق کر لے۔ دین اس کے لیے ایک روایتی وراثت ہوتا ہے۔ دین اس کی قومی شناخت ہوتا ہے۔ دین کی تاریخ اس کے لیے فخر کا سرمایہ ہوتی ہے۔ اس کے ادارے اور اس کی سرگرمیاں، سب کی سب، دین کے نام پر کھڑی ہوتی ہیں، دین اس کے لیے صرف دین نہیں رہتا، بلکہ وہ اس کی دینوی حیثیت کی واحد علامت بن جاتا ہے۔

کسی امت پر جب یہ وقت آتا ہے تو اُس کے اندر وہ ظاہرہ فروغ پاتا ہے جس کو مذہبی انتہا پسندی کہا جاتا ہے۔ فطری طور پر اُس وقت اس مذہبی انتہا پسندی کا اظہار دین کی اسپرٹ میں نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ظواہر میں ہوتا ہے۔ اُس وقت دین کا اظہار اُن معاملات میں ہوتا ہے جن کا تعلق زندگی کے دینوی یا مادی پہلو سے ہو۔

ایک زوال یافتہ امت کے اندر کام کا آغاز افراد کی اصلاح سے ہوتا ہے، نہ کہ اجتماعی اقدام سے۔ ایسی امت کے اندر اگر کوئی اجتماعی ادارہ بنایا جائے، اس کے اندر کوئی حکومت قائم کی جائے، اس کے اندر کوئی تنظیم قائم کی جائے تو ایسا ہر اقدام ہمیشہ نتیجے کے اعتبار سے ناکام ثابت ہو گا۔ کیوں کہ زوال یافتہ امت کے اندر بنائے ہوئے اجتماعی ادارے کے ارکان بھی زوال یافتہ ہوں گے۔ اس بنا پر اس قسم کا اجتماعی ادارہ اپنے در و دیوار یا ظاہری دھوم کے اعتبار سے تو ادارہ نظر آئے گا، لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے، وہ صرف ایک شان دار قبرستان ہوگا، اس کے سوا اور کچھ نہیں

Scanned with CamScanner

نقطہ آغاز

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عام پالیسی اجتماعی معاملات میں کیا تھی۔ اس کے بارے میں حضرت عائشہ کی ایک روایت اِن الفاظ میں آئی ہے: ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین، الا اختار ایسر هما صحیح البخاری، رقم الحدیث:6318) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو طریقوں میں سے ایک طریقے کا انتخاب کرنا ہوتا تو آپ ہمیشہ آسان طریقے کا انتخاب کرتے:

Whenever the Prophet had to choose between the two, he always opted for the easier course, rather than the harder one. (peaceful method)

''آسان طریقہ'' کیا ہے، آسان طریقہ دراصل پُرامن طریقہ کا دوسرا نام ہے۔ زندگی میں اکثر پُرامن طریقِ کار اور متشددانہ طریقِ کار (violent method) کے درمیان انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ یہ واضح ہے کہ متشددانہ طریقِ کار کے مقابلے میں پرامن طریقِ کار ہمیشہ آسان ہوتا ہے۔ متشددانہ طریقِ کار میں ہمیشہ کسی سے ٹکراو کرنا پڑتا ہے، جب کہ پرامن طریقِ کار میں کسی سے ٹکراو کی ضرورت نہیں۔

موجودہ دنیا آزادی اور مسابقت (competition) کے اصول پر قائم ہے۔ اِس دنیا میں ہمیشہ اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں ہمیشہ ایسے اسباب پیش آتے ہیں جو دو گروہوں کے درمیان نزاع کی صورت پیدا کردیں۔ ایسے موقع پر ٹکراو کا طریقہ اختیار کرنا، غیر پیغمبرانہ طریقہ ہے، اور ٹکراو کا طریقہ چھوڑ کر اپنے عمل کی پرامن منصوبہ بندی کرنا، پیغمبر کا طریقہ۔

خدا نے پیغمبر کے طریقے میں کامیابی رکھی ہے اور غیر پیغمبرانہ طریقے میں ناکامی۔ ایسی حالت میں، جو لوگ پیغمبر کے طریقے کو نظر انداز کریں اور وہ غیر پیغمبرانہ طریقے پر اپنی تحریک چلائیں، وہ اپنے لیے بیک وقت دو خطرے مول لے رہے ہیں۔۔۔ ایک یہ کہ اللہ کے نزدیک اُن کا ایمان بالرسول مشتبہ ہوجائے، اور دوسرے یہ کہ خدا کی اس دنیا میں ان کی تحریک کبھی کامیابی کی منزل تک نہ پہنچے۔

Scanned with CamScanner

ملت کا درخت اگانے کے لئے

سابق صدر امریکہ جان ایف کنیڈی نے ایک بار لاوٹے (Lyautay) کا حوالہ دیتے ہوئے اس کا اپنا ایک قصہ نقل کیا تھا۔ اسکے الفاظ یہ تھے:

(1) once asked (my) gradener to plant a tree. The gardener, objected that the tree was slow growing and would not reach the maturity for a hundred years. (1) replied: "In case there is no time to loose, plant in the afternoon......

Chartered Accountant (Supplement) New Delhi, June 1970

میں نے ایک بار اپنے باغبان سے ایک درخت کا پودا اگانے کے لئے کہا۔ باغبان نے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ یہ درخت بہت دھیرے دھیرے بڑھتا ہے اور اس کو پورا درخت بننے میں ایک سو سال لگ جائیں گے۔ میں نے جواب دیا: ایسی حالت میں تو ہم کو بالکل وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ تم آج ہی دوپہر بعد اس کا پودا لگا دو۔

ملت کی تعمیر وترقی ایک طویل المدت منصوبہ ہے۔ فرد اور اجتماع کی سطح پر بے شمار اسباب فراہم کرنے کے بعد وہ وقت آتا ہے جب کہ ملت اپنی پوری شان کے ساتھ زندہ ہو اور وہ ایک طاقتور قوم کی حیثیت سے زمین پر اپنی جگہ حاصل کرے۔ مگر جب اس قسم کا منصوبہ پیش کیا جاتا ہے تو کہنے والے فوراً کہہ دیتے ہیں: یہ تو بڑا لمبا منصوبہ ہے۔ اس کو پورا ہونے میں سو سال لگ جائیں گے۔ ایسے لوگوں کو ہمارا جواب صرف ایک ہے: جب ایسا ہے تو ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی اپنا وقت کھونا نہیں چاہئے۔ ہم کو چاہئے کہ ہم آج ہی پہلی فرصت میں اپنا ''درخت'' نصب کر دیں۔

ایک طاقتور درخت ہمیشہ ''سو سال'' ہی میں تیار ہوتا ہے۔ اس لئے جو شخص طاقتور درخت کا مالک بننا چاہتا ہو اس کے لئے سو سالہ باغبانی کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اگر وہ ایسا کرنے کے بجائے سڑکوں پر نکل کر ''درخت ستیہ گرہ'' شروع کر دے۔ یا کسی میدان میں جمع ہو کر ''باغ ملت زندہ باد'' کے نعرے لگانے لگے تو یہ ایک احمقانہ حرکت ہوگی جس سے نہ کوئی درخت اگے گا اور نہ وہ باغ والا بنے گا۔ اس کا واحد انجام صرف یہ ہے کہ وہ اس وقت کو مزید ضائع کر دے جو درخت اگانے کے لئے اس کو قدرت کی طرف سے حاصل تھا۔ آپ

Scanned with CamScanner

کے پاس مکان نہ ہو اور آپ صرف پر کھڑے ہو کر پھلجھڑی چھوڑنے لگیں تو اس سے آپ شہر میں ایک مکان کے مالک نہیں بن جائیں گے۔ اسی طرح ملت کا نام لے کر کچھ لوگ سیاسی شعبدہ بازی کرنے لگیں تو اس قسم کے شعبدوں سے ایسا نہیں ہو سکتا کہ زمین پر ملت کا قلعہ کھڑا ہو جائے۔ اشعار کی دنیا میں صرف تک بندیوں کے ذریعہ بڑے بڑے انقلاب لائے جا سکتے ہیں، ایک خطیب اپنے پر جوش الفاظ کے ذریعہ آناً فاناً ایک پنڈال کو شان دار کامیابیوں کے آسمان پر پہنچا سکتا ہے۔ مگر ایک حقیقی واقعہ کو ظہور میں لانا ایسا صبر آزما کام ہے جو طویل منصوبہ بندی اور مسلسل جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں۔

شکر کا جذبہ

آدمی ملے ہوئے پر مطمئن نہیں ہوتا اور جو کچھ نہیں ملا ہے اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہر آدمی غیر مطمئن زندگی گزارتا ہے۔ ہر شخص کو خدا نے کوئی نہ کوئی نعمت دی ہے۔ مگر آدمی کا حال یہ ہے کہ جو نعمت نہیں ملی اس کی طرف متوجہ رہتا ہے اور جو نعمت ملی ہوئی ہے اس کو حقیر سمجھتا ہے۔ ایسے آدمی کے اندر اپنے خدا کے لئے شکر کا جذبہ نہیں ابھرتا۔ وہ اس قیمتی کیفیت سے محروم رہ جاتا ہے جو جنت کا مستحق بننے کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے۔ موجودہ دنیا کو خدا نے اس طرح بنایا ہے کہ یہاں مکمل راحت کسی کے لئے نہیں۔ اگر سرد علاقہ کے مسائل ہیں تو گرم علاقہ کے بھی مسائل ہیں۔ اگر کم آمدنی والے کی زحمتیں ہیں تو زیادہ آمدنی والے کی بھی زحمتیں ہیں۔ اگر بے زور کچھ مشکلوں سے دو چار ہے تو ان کی بھی مشکلیں ہیں جن کو زور و قوت حاصل ہے۔ امتحان کی اس دنیا میں آدمی کو مسائل سے فرصت نہیں۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ جن مسائل کے درمیان ہے ان کو گوارا کرتے ہوئے اپنا سفر جاری رکھے۔ اس کی توجہات کا مرکز خدا کی رضا ہو نہ کہ مشکلات سے خالی زندگی حاصل کرنا، کیونکہ وہ تو آخرت سے پہلے ممکن نہیں۔

جو شخص آخرت کی جنت کا مالک بننا چاہتا ہو اس کو سب سے بڑا تحفہ جو اپنے رب کی خدمت میں پیش کرنا ہے وہ شکر ہے، اور شکر کا جذبہ اس کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا کہ آدمی مشکلات و مسائل سے اوپر اٹھ کر سوچنے کی نظر پیدا کرلے۔ جنت کی قیمت شکر ہے اور جنت اسی کو ملے گی جو اس کی قیمت ادا کرے

Scanned with CamScanner

ایمان ایک زلزلہ خیز عقیدہ

آپ اپنے گھر میں اپنے بچے کے ساتھ ہیں۔ اتنے میں زمین سے گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ دیواریں اور چھتیں ہلنے لگیں۔ کھڑکیاں زور زور سے کھلنے اور بند ہونے لگیں۔ بچہ پوچھتا ہے کہ ابا، یہ کیا چیز ہے۔ آپ اس کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بھونچال ہے۔

غور کیجئے کہ اس طوفان خیز لمحہ میں آپ کا یہ کہنا کہ ''یہ بھونچال ہے'' کیا صرف چند الفاظ کا مجموعہ ہوگا۔ آپ یہ جملہ بول کر بھی سکون کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھے رہیں گے۔ یقیناً ایسا نہیں ہوسکتا'' یہ بھونچال ہے'' کا جملہ بظاہر ایک لفظی جملہ ہے، مگر وہ ایک عظیم واقعہ کا اعلان ہے۔ وہ ایسا جملہ ہے جس کو زبان سے ادا کرتے ہی آدمی کے اوپر کپکپی طاری ہوجائے۔

''یہ بھونچال ہے'' کا لفظ بولتے ہی خود آپ کے اندر بھی ایک بھونچال آجائے گا۔ آپ کی پوری شخصیت ہل جائے گی۔ سر سے پیر تک آپ کا پورا وجود ایک نیا وجود بن جائے گا۔ اس کے بعد آپ ایک ایسے انسان بن جائیں گے جو آپ اس سے پہلے نہیں تھے۔

اسی طرح آپ اپنے دوست کے ساتھ ایک جنگل میں چل رہے ہیں۔ اچانک آپ دیکھتے ہیں کہ پاس کی جھاڑیوں میں ایک خوف ناک شیر کھڑا ہوا ہے۔ آپ اپنے دوست سے کہتے ہیں کہ'' یہ ایک شیر ہے'' یہ جملہ بھی اس وقت محض ایک لفظی کلمہ نہیں ہوگا بلکہ وہ ایک طوفان خیز تجربہ ہوگا۔ آپ کے جسم میں خون کی گردش خون کا طوفان (blood storm) بن جائے گی۔ یہ ایک ایسا لمحہ ہوگا جو آپ کو اندر سے باہر تک ایک نیا انسان بنادے گا۔ اس مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ جب ایک انسان کہتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ تو اس کا مطلب کیا ہے۔ یہ محض چند الفاظ کو اپنی زبان سے دہرانا نہیں ہے، بلکہ یہ اس خدا کی موجودگی اور کارفرمائی کا اقرار کرنا ہے جو شیر کا اور بھونچال کا اور ہر چیز کا خالق ہے۔ کیسی عجیب بات ہوگی اگر شیر اور زلزلے کی موجودگی کا اقرار آدمی کے اندر طوفان برپا کردے اور خداوند ذوالجلال کی موجودگی کا اقرار آدمی کے اندر کوئی ہلچل برپا نہ کرے۔

Scanned with CamScanner

اسلام زندگی کا ضمیمہ نہیں

پانی کے گلاس میں پتھر کا ایک ٹکڑا ڈالیں تو وہ اس کے اندر اتر کر ایک کنارے بیٹھ جائے گا۔ وہ پانی میں ہوگا مگر پانی سے الگ ہوگا۔ پتھر پتھر رہے گا اور پانی پانی۔ مگر اسی گلاس میں جب آپ رنگ ڈالتے ہیں تو رنگ اور پانی دونوں مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ اب پانی رنگ سے الگ نہیں ہوتا بلکہ دونوں اس طرح مل جاتے ہیں کہ باہر سے دیکھنے والا ان میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔

اسلام کا معاملہ اور آدمی کا معاملہ پتھر اور پانی جیسا معاملہ نہیں ہے بلکہ وہ رنگ اور پانی جیسا معاملہ ہے۔ مسلمان کی زندگی میں اسلام ایک علیٰحدہ ضمیمہ کی طرح نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کی پوری ہستی میں سما جاتا ہے۔ وہ اس کے جذبات میں شامل ہو کر اس کے دل کی دھڑکن بن جاتا ہے۔ وہ اس کی سوچ میں اس طرح داخل ہوتا ہے کہ اس کا ذہن اسی کے مطابق ڈھل بن جاتا ہے۔ وہ اس کی سوچ میں اس طرح داخل ہوتا ہے کہ اس کا ذہن اسی کے مطابق ڈھل جاتا ہے۔ اسلام اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ وہ اس کی زبان بن جاتا ہے جس سے بولتا ہے۔ وہ اس کا ہاتھ پاؤں بن جاتا ہے جس کے تحت وہ دنیا میں اپنی تمام کارروائیاں کرتا ہے۔ اسلام وہی ہے جو آدمی کے اوپر اس طرح چھا جائے کہ اس کی کوئی چیز اس سے باہر نہ رہے۔ اس کے ہر بول میں اسلام کی جھلک ہو۔ اس کا ہر عمل اسلام کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔

جو اسلام پانی میں پتھر کی طرح رہے وہ اسلام نہیں ہے۔ اسلام وہی ہے جو پانی کے اندر رنگ کی طرح گھل جائے۔ آدمی کو کسی سے محبت ہو تو اس کا پورا وجود اس سے محبت کرتا ہے۔ اس کو کسی سے نفرت ہو تو اس کا پورا وجود اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص اسلام کو حقیقی معنوں میں اپناتا ہے تو وہ اس کے پورے وجود کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ وہ کہیں بھی اسلام سے الگ نہیں ہوتا اور نہ اسلام اس سے۔

Scanned with CamScanner

قرآن سے تعلق

قرآن کے بارے میں ایک روایت ان الفاظ میں آئی ہے: عن ابی موسی عن النبی صلی الله علیه وسلم قال : تعاهدو االقرآن ، فوالذی نفسی بیدہ لهو اشد تفصیامن الابل فی عقلها (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 5033) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم قرآن کی حفاظت کرو، کیوں کہ قرآن اُس سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ نکل جانے والا ہے جس طرح اونٹ اپنی رسی سے چھوٹ کر نکل جاتا ہے۔

اس حدیث میں قرآن کی حفاظت سے مراد اس کی لفظی حفاظت نہیں ہے، بلکہ اس کی معنوی حفاظت ہے۔ قرآن کے معانی، بہ الفاظ دیگر، قرآنی طرز فکر، ایک ایسی چیز ہے جو صرف اُس وقت آدمی کے ذہن کا حصہ بنتا ہے جب کہ آدمی اس پر مسلسل طور پر سوچے، جب کہ وہ اس کے تفکیری عمل (thinking process) کا مستقل جزء بنا ہوا ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو قرآن بہت جلد فراموشی کے خانے میں چلا جائے گا۔ وہ آدمی کے زندہ حافظہ (living memory) میں باقی نہ رہے گا۔

اس کا سبب یہ ہے کہ موجودہ زندگی میں آدمی ہر لمحہ مسائل حیات سے دو چار رہتا ہے۔ طرح طرح کے دنیوی تقاضے ہر لمحہ آدمی کو اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں۔ قرآن مکمل طور پر ایک کتاب آخرت ہے، جب کہ انسان مکمل طور پر ایک دنیوی مخلوق ہے۔ یہی وہ فرق ہے جس کی طرف مذکورہ حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس صورت حال میں کسی مومن کے لیے صاحب قرآن بننے کی صرف ایک شرط ہے، یہ کہ وہ اپنے اندر تجریدی فکر (detached thinking) کی صلاحیت پیدا کرے۔ وہ ایک غیر قرآنی دنیا میں قرآنی ذہن کے ساتھ رہ سکے۔ جب ایسا ہوگا کہ آدمی مسلسل طور پر قرآن کی آیتوں پر غور کرے گا تو وہ قرآن میں نئے نئے معانی کی دریافت کرے گا۔ اس طرح قرآن پر اس کا یقین بڑھتا چلا جائے گا۔

Scanned with CamScanner

تلاوت کا فائدہ

ایک بار ایک سفر میں ایک صاحب میرے ساتھ تھے۔ میں نے دیکھا کہ اُن کے پاس پاکٹ سائز کا ایک معری قرآن ہے۔ جہاں موقع ملتا ہے، وہ اس کی تلاوت کرنے لگتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ میرا یہ معمول تقریباً پندرہ سال سے ہے۔ اِس طرح ہر مہینے میں ایک بار میں پورا قرآن پڑھ لیتا ہوں۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ ماشاء اللہ روزانہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ آپ بتائیے کہ قرآن کا خلاصہ کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے اِس اعتبار سے کبھی غور نہیں کیا۔ میں قرآن کو ثواب کی نیت سے پڑھتا ہوں۔ یہی عام طور پر لوگوں کا حال ہے۔ لوگ قرآن کو پڑھتے ہیں، لیکن اُن کا پڑھنا برائے تلاوت ہوتا ہے، برائے تدبر نہیں ہوتا۔ موجودہ زمانے میں مسلمانوں کے اندر عام طور پر اسی قسم کی تلاوتِ قرآن کا رواج ہے۔ مگر اصحابِ رسول کے زمانے میں اِس قسم کی تلاوت قرآن کا رواج نہ تھا۔ ایک بار حضرت عائشہ سے ایسے کچھ لوگوں کا ذکر کیا گیا جو معنوی تدبر کے بغیر صرف الفاظ کی تلاوت کے طور پر قرآن کو پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ نے یہ سن کر کہا: **اولئك قرء وا ولم يقرء وا** (شعب الایمان، رقم الحدیث: 1925) یعنی انھوں نے قرآن کو پڑھا، مگر انھوں نے قرآن کو نہیں پڑھا۔

اس سلسلہ میں قرآن میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ اِس پہلو سے قرآن کی ایک آیت کے الفاظ یہ ہیں: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ(38:29) یعنی یہ ایک بابرکت کتاب ہے۔ جو ہم نے تمھاری طرف اتاری ہے، تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور تاکہ عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔ قرآن کے نزول کا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگ اس کو تبرک کے طور پر لیں۔ اور اُس سے پراسرار ثواب حاصل کریں۔ بلکہ قرآن کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اس کی آیتوں پر غور کیا جائے۔ اس سے زندگی کے اصول معلوم کئے جائیں۔ اُس سے کامیابی اور ناکامی کا راز دریافت کیا جائے۔ اُس سے امتوں کے عروج وزوال کا قانون دریافت کیا جائے۔ قرآن سے رہنمائی حاصل کر کے اپنے آپ کو اس طرح تیار کیا جائے جو آدمی کو اللہ کی رحمت وسعادت کا مستحق بنائے۔

Scanned with CamScanner

قرآن وسنت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دورآخر کی ایک حدیث ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں۔
یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہارے لیے دو چیزیں چھوڑی ہیں، تم ہر گز گمراہ نہ ہوگے، جب تک کہ ان دونوں چیزوں کو پکڑے رہو گے، وہ دو چیزیں ہیں: اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔ یہ حدیث اس معیار (criterion) کو بتاتی ہے جس کی روشنی میں بعد کے زمانے کے مسلمانوں کو جانچ کر یہ معلوم کیا جا سکے کہ وہ صراط مستقیم پر قائم ہیں یا وہ اس سے ہٹ گئے ہیں۔ اس معاملے کا یہی واحد معیار ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا معیار اس معاملے میں درست نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے درمیان پوائنٹ آف ریفرنس (point of reference) قرآن و سنت ہو تو وہ ہدایت پر ہیں، اور جب ان کے درمیان پوائنٹ آف ریفرنس کچھ اور ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ہدایت پر قائم نہیں۔

جب مسلمانوں کی کتابیں قرآن وسنت پر مبنی ہوں، جب ان کی مجلسوں میں قرآن وسنت کا چرچا ہو، جب وہ ہر معاملے میں قرآن وسنت سے رہنمائی لیتے ہوں، جب ان کا یہ حال ہو کہ وہ قرآن وسنت کے نام پر بولیں اور قرآن وسنت کے نام پر چپ ہو جائیں، تب یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ ہدایت پر ہیں اور جب ایسا نہ ہو تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہدایت سے بھٹک گئے ہیں۔ تاہم قرآن وسنت سے ہٹنے کی ایک اور صورت ہے، جو قرآن وسنت کا نام لینے کے باوجود باقی رہتی ہے، اور یہ وہی ہے جس کو حدیث میں تفسیر بالرائے کہا گیا ہے۔

تفسیر بالرائے کا مطلب قرآن وسنت کی غلط تعبیر (misinterpretation)۔ غلط تعبیر وتشریح کا یہ امکان ہمیشہ باقی رہے گا۔ انسان کو اس دنیا میں کامل آزادی دی گئی ہے۔ انسان جس طرح دوسری باتوں کے لیے آزاد ہے، اسی طرح وہ قرآن وحدیث کی غلط تشریح کے لیے بھی آزاد ہے، اس برائی سے بچنے کی شرط صرف ایک ہے، اور وہ تقوی ہے۔ تقویٰ انسان کو اس سے بچاتا ہے کہ وہ قرآن و حدیث کو خود ساختہ تشریح کرے۔

Scanned with CamScanner

مانگنے والا پاتا ہے

لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ جنت کا نام لیتے ہیں مگر جہنمی اعمال میں مشغول ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے خدا سے اس کی جنت مانگی ہی نہیں۔ اگر وہ خدا سے جنت مانگتے تو یہ ممکن نہ تھا کہ وہ لوگوں کو ایسے راستوں میں چلنے دے جو انھیں جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔

یہ ممکن نہیں کہ آپ خدا سے جنت مانگیں اور وہ آپ کو جہنم دیدے۔ آپ خدا سے خشیت مانگیں اور وہ آپ کو قساوت دے دے۔ آپ خدا کی یاد مانگیں اور وہ آپ کو غفلت میں مبتلا کردے۔ آپ آخرت کی تڑپ مانگیں اور وہ آپ کو دنیا کی محبت میں ڈال دے۔ آپ کیفیت سے بھری ہوئی دینداری مانگیں اور وہ آپ کو بے روح دین داری میں پڑا رہنے دے۔ آپ حق پرستی مانگیں اور وہ آپ کو شخصیت پرستی کی کوٹھری میں بند کردے۔ اگر آپ کی زندگی میں مطلوب چیز نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے نہ مانگا تھا اور نہ آپ کو ملا۔ جو مانگے وہ کبھی محروم نہیں رہ سکتا۔ یہ مالک کائنات کی غیرت کے خلاف ہے کہ وہ کسی بندے کو اس حال میں رہنے دے کہ قیامت میں جب خدا سے اس کا سامنا ہو تو وہ اپنے رب کو حسرت کی نظر سے دیکھے۔ وہ کہے کہ خدایا میں نے تجھ سے جنت مانگی تھی اور تو نے جہنم میرے حوالے کردی۔ بخدا یہ ناممکن ہے، یہ ناممکن ہے، یہ ناممکن ہے۔ کائنات کا مالک تو ہر صبح وشام اپنے سارے خزانوں کے ساتھ آپ کے قریب آکر آواز دیتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے مانگے تاکہ میں اسے دوں۔ مگر جن کو لینا ہے وہ خود منھ پھیرے ہوئے ہو اس میں دینے والے کا کیا قصور۔

اسپرٹ آف اسلام (الرسالہ مشن کا انگریزی ترجمان)

الرسالہ مشن کا انگریزی ترجمان اسپرٹ آف اسلام (Spirit of Islam) کے نام سے بنگلور سے نکل رہا ہے۔ یہ ماہ نامہ جنوری 2013 سے شائع کیا جارہا ہے۔ یہ ہر اعتبار سے ایک معیاری میگزین ہے۔ انگریزی زبان کی حیثیت انٹرنیشنل زبان کی ہے۔ یہ بے حد ضروری ہے کہ الرسالہ مشن کے پرامن افکار کو انگریزی داں طبقہ میں وسیع پیمانہ پر پھیلایا جائے۔ یہ بلاشبہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

For subscription of Spirit of Islam, please contact

Center for Peace, Pakistan **SMS: 03344856560, 03334689950**

email: subscribe@cpspakistan.org

Scanned with CamScanner

دعا کیوں قبول نہیں ہوتی

لوگوں نے ایک بزرگ سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں اور ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔ بزرگ نے جواب دیا: اس لئے کہ آپ لوگ خدا سے وہ چیز مانگتے ہیں جو آپ دوسرے انسانوں کو دینے کے لئے تیار نہیں۔ آپ خدا سے مانگتے ہیں کہ وہ آپ کو ظالموں کے ظلم سے بچائے۔ مگر آپ میں سے ایک شخص کو جب کسی کے اوپر غلبہ حاصل ہوتا ہے تو وہ اس کو اپنے ظلم کا مزہ چکھانے سے باز نہیں رہتا۔ آپ خدا سے جان و مال کی امان مانگتے ہیں مگر آپ میں سے ایک شخص کو جب موقع ملتا ہے تو وہ اپنے بھائی کے جان و مال کو اپنے لئے جائز کر لیتا ہے۔ آپ خدا سے باعزت زندگی مانگتے ہیں مگر آپ میں سے ایک شخص اگر کسی کے اوپر قابو پالے تو وہ اس کو بے عزت کر کے خوش ہوتا ہے۔ آپ خدا سے مانگتے ہیں کہ وہ آپ کو دشمن قوموں کی سازش سے بچائے مگر آپ میں سے ایک شخص کو اگر کسی سے اختلاف ہو جائے تو اس کو اکھاڑنے کے لئے وہ ہر قسم کی سازشیں کرنا شروع کر دیتا ہے۔

دعا کی قبولیت کی لازمی شرط یہ ہے کہ آدمی دعا مانگنے میں سنجیدہ ہو۔ اس کی دعا اس کی پوری ہستی کی پکار ہو نہ کہ محض زبان کی حرکت سے نکلے ہوئے الفاظ۔ جب آدمی سنجیدہ ہو تو اس کی زندگی تضاد سے خالی ہو جاتی ہے۔ اس کی دعا میں اور اس کے عمل میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ اگر ایک شخص فی الواقع ظلم کو ناپسند کرتا ہے اور دوسرے آدمی کے ظلم کو قابل شکایت سمجھ رہا ہے تو ناممکن ہے کہ وہ خود اپنے دائرے میں ظالم بن جائے۔ اپنے دائرہ اختیار میں ظلم کرنا اور دوسرے کے ظلم پر احتجاج کرنا ایسا تضاد ہے جو ثابت کرتا ہے کہ آدمی اپنے کہنے میں سنجیدہ نہیں ہے، وہ قول بلا فعل (صف) کی سطح پر ہے۔ اور جو شخص قول بلا فعل کی سطح پر ہو اس کی دعا اس کے منہ پر ماردی جاتی ہے نہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کا شرف حاصل کرے۔ ایک شخص لوگوں کو باہم لڑاتا پھرتا ہو اور خدا سے دعا کرے کہ ”خدایا لوگوں کو متحد کر دے“ تو یہ اللہ کی نظر میں دعا نہیں ہے بلکہ ایک مذاق ہے جو دعا کرنے والے کو صرف سزا کا مستحق بناتی ہے۔ دعا کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ آدمی بندوں کو وہی دے رہا ہو جو وہ خدا سے اپنے لئے مانگ رہا ہے۔ اس سے دوسروں کو وہی رحمت وعنایت ملے جس رحمت وعنایت کی درخواست وہ خدا سے اپنے لئے کر رہا ہے۔ اس کے بغیر دعا ایک جرم ہے نہ کہ حقیقۃً اللہ کے سامنے پیش کی جانے والی درخواست۔

Scanned with CamScanner

دعا کی قبولیت

ایک مسلم نوجوان نے کہا کہ میرے بہت سے مسائل ہیں۔ میں اُن مسائل کے لیے اللہ سے بہت دعا کرتا ہوں، لیکن میری دعا قبول نہیں ہوتی۔ اِس طرح دعا کرتے ہوئے مجھے کئی سال گزر گئے۔ مگر میرا کوئی مسئلہ حل نہ ہوا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب میں کیا کروں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مادی مسائل کے لیے اللہ سے دعا کرتے ہیں، پھر جب وہ دیکھتے ہیں کہ اُن کا مسئلہ ان کی خواہش کے مطابق حل نہیں ہوا تو وہ مایوسی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ دعا بلا شبہہ ایک اعلیٰ عبادت ہے، مگر جہاں تک دعا کی قبولیت کا سوال ہے، اس کا انحصار اللہ کی مرضی پر ہے، نہ کہ بندے کی خواہش پر۔

اصل یہ ہے کہ دنیا کی جو مادی چیزیں ہیں، وہ سب کی سب امتحان کے پرچے (test papers) ہیں۔ کسی انسان کو کن امتحانی پرچوں کے ساتھ آزمانا ہے، اس کا فیصلہ اللہ کی طرف سے کیا جاتا ہے، نہ کہ انسان کی خواہش کی بنیاد پر۔ کوئی طالب علم اگر یہ چاہے کہ اس کے امتحان کا پرچہ اس کی مرضی کے مطابق اس کو دیا جائے تو ایسا ہونا ممکن نہیں، کیوں کہ امتحانی پرچے کے معاملے میں سارا فیصلہ تعلیمی ادارے کے ذمے داروں کی طرف سے کیا جاتا ہے، طالب علم کی خواہش کی بنیاد پر اس کا فیصلہ نہیں ہوتا۔

ایسی حالت میں دعا کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی دعائیں تو خوب کرے، لیکن دعا کی قبولیت کے معاملے کو وہ تمام تر اللہ کے اوپر ڈال دے۔ اگر کسی آدمی کی دعا بظاہر قبول نہیں ہو رہی ہے تو اس کو یقین کرنا چاہیے کہ یہی اللہ کی مرضی ہے۔ اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کسی بندے کے لیے خیر کیا ہے۔ انسان صرف اپنی خواہشوں کو جانتا ہے، نہ یہ کہ اس کا خیر کس چیز میں ہے۔

آدمی کو چاہیے کہ وہ ملے ہوئے پر راضی رہے اور نہ ملے ہوئے کے بارے میں وہ یہ دعا کرے کہ خدایا، تو میرے لیے خیر کا فیصلہ فرما (اللھم خرلی واخترلی)

Scanned with CamScanner

اسمِ اعظم کے ساتھ دعا

سب سے بڑی دعا وہ ہے جو ایک حقیقی پوائنٹ آف ریفرنس (point of reference) کے حوالے سے کی جائے، موت اسی قسم کا ایک بہت بڑا پوائنٹ آف ریفرنس ہے۔ اگر کوئی شخص اس پوائنٹ آف ریفرنس کو دریافت کرلے تو وہ ایک ایسی دعا کرسکتا ہے جس کو حدیث میں اسمِ اعظم کے ساتھ دعا کرنا بتایا گیا ہے۔ موت کیا ہے۔ موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے، بلکہ وہ موجودہ زمین پر رہائش کا خاتمہ ہے۔ موجودہ زمین پر انسان کے لیے وہ سب کچھ مہیا کیا گیا ہے جس کی اسے بحیثیت انسان ضرورت ہے۔ موت جب آتی ہے تو یہ ہوتا ہے کہ اچانک مرنے والے کو موجودہ سیارہ ارض سے محروم کردیا جاتا ہے۔ لیکن سیارہ ارض پر جو کچھ انسان کو ملا ہے، وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اس کے اپنے کسب (earning) کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ وہ تمام تر اللہ کے یک طرفہ عطیہ کا نتیجہ ہے۔ آدمی ملی ہوئی چیزوں کو فار گرانٹیڈ (for granted) طور پر لیتا رہتا ہے، اس لئے وہ اس حقیقت سے بے خبر رہتا ہے۔ اگر آدمی دنیا میں ملی ہوئی چیزوں کو عطیہ الٰہی کی حیثیت سے دریافت کرلے تو یہ دریافت اس کے لئے ایک عظیم پوائنٹ آف ریفرنس بن جائے گی۔

جس انسان کو شعوری طور پر اس حقیقت کو دریافت ہوجائے، وہ پکار اٹھے کہ خدایا، موت سے پہلے کی زندگی میں بھی میں کامل طور پر عاجز تھا، لیکن تو نے اپنی رحمت سے بلا استحقاق مجھے یک طرفہ طور پر تمام چیزیں دے دیں، موت کے بعد کی زندگی میں بھی دوبارہ میں اپنے آپ کو کامل طور پر عجز کی حالت میں پاؤں گا۔ خدایا، جس طرح تو نے موت سے پہلے کی زندگی میں میرے عجز کی کامل تلافی فرمائی، اسی طرح تو موت کے بعد کی زندگی میں بھی میرے عجز کی کامل تلافی فرما، مجھے وہ تمام چیزیں مزید اضافہ کے ساتھ دے دے جو تو نے موت سے پہلے کی زندگی میں مجھے عطا کی تھیں۔

اس پوائنٹ آف ریفرنس کے ساتھ نجاتِ آخرت کی دعا کرنا، بلاشبہہ اسمِ اعظم کے ساتھ دعا کرنا ہے، جس کی قبولیت کی بشارت دی گئی ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس اسمِ اعظم کے حوالے سے دعا کرنے کی توفیق پائیں۔

Scanned with CamScanner

دنیا، آخرت

قرآن میں انسان کے بارے میں ایک عمومی تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: اِنَّ هٰؤُلَاءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا یعنی یہ لوگ جلدی ملنے والی چیز کو چاہتے ہیں اور انھوں نے اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو چھوڑ رکھا ہے۔

انسان کو ابدی مخلوق کی حیثیت سے پیدا کیا گیا ہے، لیکن اس کی مدتِ حیات کے دو حصے ہیں۔ موت سے قبل (pre-death period) اور موت کے بعد (post-death period)۔ انسان کی عام کمزوری یہ ہے کہ وہ قبل از موت زندگی کو لے کر سوچتا ہے، بعد از موت زندگی کو لے کر وہ سوچ نہیں پاتا۔ یہی وہ حقیقت ہے جو قرآن کی مذکورہ آیت میں بیان کی گئی ہے۔ یہ کوئی سادہ بات نہیں۔ یہی بات ہے جو انسان کی پوری سوچ کو صحیح رخ یا غلط رخ دیتی ہے۔ جو شخص موت سے قبل کے مسائل کو لے کر سوچے، اس کے اندر دنیا رخی سوچ (world-oriented thinking) ڈیولپ کرے گی۔ اس کی سوچ ہر اعتبار سے، غیر حقیقت پسندانہ سوچ بن جائے گی۔ اس کے برعکس، جو شخص موت کے بعد کے مسائل کو لے کر سوچے، اس کے اندر آخرت رخی سوچ (Akhirat-oriented-thinking) ڈیولپ ہوگی۔ اس کی سوچ ہر اعتبار سے حقیقت پسندانہ سوچ بن جائے گی۔ حقیقت پسندانہ سوچ ہی کا دوسرا نام صحیح طرزِ فکر (right thinking) ہے۔ اسی طرح غیر حقیقت پسندانہ سوچ ہی کا دوسرا نام غلط طرزِ فکر (wrong thinking) ہے

انسان کے بننے یا بگڑنے کا تمام تر انحصار اسی بات پر ہے۔ جو شخص اپنے اندر دنیا رخی مزاج ڈیولپ کرے گا تو یہ اس کی پوری سوچ کو غلط رخ پر ڈال دے گا۔ اس کے برعکس جس آدمی کا ذہن آخرت رخی ذہن ہو، اس کے اندر آخرت رخی مزاج ڈیولپ کرے گا جو اس کی پوری سوچ کو صحیح سمت میں جاری کر دے گا۔۔ یہی وہ چیز ہے جو انسان کی شخصیت کی تعمیر (personality building) میں اصل اہمیت رکھتی ہے۔

Scanned with CamScanner

سب سے بڑا حادثہ

ہماری دنیا میں جو سب سے بڑا حادثہ پیش آرہا ہے وہ یہ کہ یہاں بسنے والے انسانوں میں سے تقریباً دس لاکھ آدمی ہر روز مر جاتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ موت کے فرشتے کل کے لئے جن دس لاکھ آدمیوں کی فہرست تیار کر رہے ہیں اس میں اس زمین پر چلنے والوں میں سے کس کس کا نام ہو۔ ہم میں سے ہر شخص کو موت آنی ہے۔ مگر ہم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی موت کب آئے گی اور جن لوگوں کے درمیان ہم زندگی گزار رہے ہیں ان کے متعلق بھی کچھ نہیں معلوم کہ ان میں سے کون کل اٹھالیا جائے گا اور کون کل کے بعد سننے اور دیکھنے کے لیے باقی رہے گا۔

یہ آنے والا وقت ہم میں سے ہر شخص کی طرف دوڑا چلا آرہا ہے۔ ہر زندہ انسان اس خطرہ میں مبتلا ہے کہ کل اس کی موت آجائے اور اس کے بعد نہ اس کے لیے سننے کا موقع باقی رہے اور نہ ہمارے لئے سنانے کا۔

یہ صورت حال بتا رہی ہے کہ کرنے کا اصل کام کیا ہے۔ کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص آخرت کی فکر کرے اور دوسرے انسانوں کو زندگی کے اس حقیقی مسئلہ سے آگاہ کرے۔ دنیا کی آبادی اگر چار ارب ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو چار ارب کام کرنے ہیں۔ کیوں کہ آج کا ہر آدمی حقیقت سے غافل ہے، ہر آدمی اس کا محتاج ہے کہ اس کو حقیقت کا علم پہنچایا جائے۔ کوئی بڑا طوفان ٹوٹنے والا ہو تو چھوٹی باتیں بھول جاتی ہیں۔ موت بلاشبہ سب سے بڑا طوفان ہے۔ اگر آدمی کو اس کا احساس ہو تو وہ سب سے زیادہ موت کے بارے میں سوچے اور سب سے زیادہ موت کے بارے میں چرچا کرے۔

Subscribe in Pakistan
SMS: 0334-4856560 - 03334689950
Email: subscribe@cpspakistan.org

اگر آپ آن لائن مزید کتابیں پڑھنا یا منگوانا چاہتے ہیں تو ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں
www.cpspakistan.org

Scanned with CamScanner

آخرت سے غفلت کیوں؟

قرآن کی سورہ الروم میں ایک آیت ان الفاظ میں آئی ہے: یَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۖۚ وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ (30:7) یعنی وہ دنیا کی زندگی کے صرف ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے بے خبر ہیں۔

یہ واقعہ کیسے پیش آتا ہے کہ انسان آخرت سے غافل ہوجاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان ہر لمحہ اپنے آپ کو ایک دنیا میں پاتا ہے۔ اُس کا ہر تجربہ بتاتا ہے کہ وہ آخرت کے سوا ایک اور دنیا کے اندر ہے۔ اس کے تمام تعلقات اِسی معلوم دنیا کے ساتھ ہوتے ہیں۔ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک اس کی پوری زندگی اِسی دنیا کے اندر گزرتی ہے۔ اِس طرح وہ موجودہ دنیا کے ساتھ اتنا زیادہ مانوس ہوجاتا ہے کہ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ سمجھ لیتا ہے کہ بظاہر جو کچھ ہے، وہی کُل دنیا ہے، اِس کے آگے اور کچھ نہیں، حتی کے وہ لوگ جو رسمی عقیدے کے طور پر آخرت کو مانتے ہیں، وہ بھی عملاً پوری طرح اس کا مصداق ہوتے ہیں۔

ایسی حالت میں آخرت پر زندہ یقین صرف اُس شخص کو حاصل ہوسکتا ہے جو اپنے اندر تجریدی فکر (detached thinking) پیدا کرے، یعنی دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے الگ ہوکر سوچنا، جسمانی اعتبار سے بظاہر اِسی دنیا میں ہونا، لیکن سوچ کے اعتبار سے آخرت کی دنیا میں پہنچ جانا۔ یہی تجریدی فکر کا طریقہ واحد طریقہ ہے جو کسی آدمی کو آخرت کی یاد میں جینے والا بنا سکتا ہے۔ یہی آخرت رخی سوچ وہ چیز ہے جس سے آدمی کے اندر حقیقی معنوں میں ربانی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ اس کے سوا کوئی اور طریقہ ربانی شخصیت کی تعمیر کا نہیں۔

ربانی انسان بننے کی شرط صرف یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو النفس المطمئنۃ (complex free soul) بنائے (89:27)۔ ایسے ہی انسان کو اللہ کی توفیق حاصل ہوتی ہے اور یہ صرف اللہ کی توفیق ہے جو کسی انسان کو ربانی انسان بناتی ہے۔

Scanned with CamScanner

تکاثر سے قبر تک

قرآن کی سورہ التکاثر میں انسان کی ایک عمومی حالت کو ان الفاظ میں بتایا گیا ہے: اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ o حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (102:1-2) یعنی زیادہ سے زیادہ کی حرص نے تم کو غفلت میں رکھا، یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔

انسان کا حال یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتا ہے۔ وہ اِسی عمل میں مشغول رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کی موت آجاتی ہے۔ وہ دنیا سے اس احساس کے ساتھ چلا جاتا ہے کہ اس نے جس چیز کے حصول کو اپنا نشانہ بنایا تھا، اس کو وہ حاصل نہ کرسکا۔

حقیقت یہ ہے کہ مال برائے ضرورت کی ایک حد ہے۔ اِس کے برعکس مال برائے مالک کی کوئی حد نہیں۔ اگر انسان ضرورت کے لئے مال حاصل کرنا چاہے تو ایک حد پر پہنچ کر اس کو اطمینان حاصل ہو جائے گا۔ لیکن انسان اگر مال برائے مال کو اپنی زندگی کا نشانہ بنائے تو اس کی طلب کی کبھی کوئی حد نہیں آئے گی۔ انسان بے اطمینانی کی حالت میں جیے گا، اور بے اطمینانی کی حالت میں مر جائے گا۔

امریکا کے مشہور دولت مند بل گیٹس (Bill Gates) نے اپنی زندگی کا مقصد یہ بنایا کہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ وہ دنیا کے سب سے زیادہ دولت مند آدمی بن گئے۔ لیکن آخر میں ان کو محسوس ہوا کہ میری ضرورت تو محدود ہے۔ پھر اس کثیر دولت کا کیا استعمال۔ انھوں نے اپنے ایک لیکچر میں کہا کہ:

Once you get beyond a million dollars, it is the same hamburger.

یعنی تم خواہ کتنی ہی زیادہ دولت حاصل کرلو، مگر تمھاری ضرورت تو بدستور وہی سینڈوچ رہے گی۔ یہ ہر اُس آدمی کا انجام ہوتا ہے، جو زیادہ دولت کمانے کو اپنا نشانہ بنائے۔ آخر میں عدم اطمینان کے سوا کچھ اور اُس کے حصے میں آنے والا نہیں۔

Scanned with CamScanner

جنت: عطیہ خداوندی

تمام حیوانات اپنی ضرورت کے مقام پر چل کر یا رینگ کر پہنچے ہیں۔ مگر اس میں صرف ایک استثنا ہے اور وہ مچھلی کا استثنا ہے۔ مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، مگر مچھلی کے اندر یہ طاقت نہیں کہ وہ رینگ کر یا چل کر پانی میں پہنچ جائے۔ وہ دریا کے کنارے تڑپتی رہے گی، لیکن خود سے وہ دریا کے اندر نہ جا سکے گی، الا یہ کہ کوئی شخص اس کو اٹھا کر پانی میں ڈال دے۔

یہ واقعہ تمثیل کی زبان میں ایک حقیقت کو بتاتا ہے، اور وہ جنت کا معاملہ ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی زیادہ صالح اور متقی ہو، مگر اس کا ذاتی عمل اس کو جنت میں نہیں پہنچا سکتا۔ کسی شخص کا جنت میں پہنچنا صرف اُسی وقت ممکن ہے جب کہ اللہ اپنی رحمت کے ذریعے اس کو جنت میں داخل کر دے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو ایک حدیث میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: یعنی بے شک کسی آدمی کا عمل اُس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ صحابہ نے کہا، اے خدا کے رسول، کیا آپ بھی۔ آپ نے فرمایا ہاں، الا یہ کہ اللہ مجھے اپنی مغفرت اور رحمت سے ڈھانک لے۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی انسانی عمل جنت کی قیمت نہیں۔ انسانی عمل صرف اس لیے ہے کہ وہ اللہ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کر سکے۔ اسی لیے انسانی عمل میں سب سے بڑی چیز معرفتِ الٰہی ہے۔ معرفتِ الٰہی میں جو شخص پورا اترے گا، اللہ اس کی طرف متوجہ ہوگا اور اپنی عنایتِ خاص کے تحت اس کے لیے جنت میں داخلے کا فیصلہ فرمائے گا۔ جنت کسی کو اللہ کی عنایت سے ملے گی، نہ کہ اپنے عمل کی قیمت کے طور پر۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا چند سالہ عمل کبھی ابدی جنت کے برابر نہیں ہو سکتا۔ کوئی شخص جو اپنے عمل کو جنت کی قیمت سمجھے، اُس کا معاملہ آخرت میں اُس شخص جیسا ہوگا جس کے پاس صرف ایک پیسہ ہو اور وہ ہوائی جہاز خریدنے کے لیے پہنچ جائے۔

Scanned with CamScanner

خدا کا اعتراف نہیں

آج کل یہ رواج ہے کہ ایک شخص پیسہ کمائے گا اور اس کے بعد وہ ایک کار خرید کر اپنے بیٹے کو دے گا۔ کار کے شیشہ پر لکھا ہوا ہوگا ۔۔۔۔ باپ کی طرف سے تحفہ (Dad's Gift)۔ یہ کوئی سادہ بات نہیں۔ اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ ناشکری کا کلمہ ہے۔ ایک نعمت جو حقیقۃً خدا کی طرف سے ملی ہے، اس کو خدا کی طرف منسوب نہ کرنا، بلکہ اس کو خود اپنے کمالات کے خانے میں ڈال دینا، یہ خدا کے ساتھ بے اعترافی کا معاملہ کرنا ہے، اور خدا کے ساتھ بے اعترافی بلاشبہہ خدا کی اِس دنیا میں سب سے بڑے جرم کی حیثیت رکھتا ہے۔

قرآن کی سورہ النمل میں بتایا گیا ہے کہ پیغمبر سلیمان بن داود کو ایک مادی نعمت ملی تو انھوں نے فوراً کہا: ھذا من فضل ربی (27:40) یعنی یہ میرے رب کے فضل میں سے ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ پیغمبر نے اس کو خدا کی طرف سے عطیہ (God's gift) قرار دیا۔ یہی صحیح ایمانی طریقہ ہے۔ صاحبِ ایمان وہ ہے جو ہر چیز کو خدا کی چیز سمجھے، جو ہر ملی ہوئی چیز کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہوئے خدا کا اعتراف کرے۔

دنیا میں انسان کو جو چیزیں ملتی ہیں، وہ بہ ظاہر خود اپنی کوشش کے ذریعے ملتی ہیں، لیکن یہ صرف اس کا ظاہری پہلو ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز مکمل طور پر خدا کا عطیہ ہوتی ہے۔ انسان کا امتحان یہ ہے کہ وہ ظاہری پردے کو پھاڑے، وہ اصل حقیقت کو دریافت کرتے ہوئے ہر ملی ہوئی چیز پر یہ کہہ دے کہ یہ میرے رب کا عطیہ ہے جو براہِ راست طور پر خدا کی طرف سے مجھ کو دیا گیا۔

اسی اعتراف (acknowledgment) کا مذہبی نام شکر ہے۔ یہاں اُسی شخص کو جائز طور پر رہنے کا حق حاصل ہے جو شکر واعتراف کی نفسیات کے ساتھ اس دنیا میں رہے۔ شکر کی یہی نفسیات موجودہ دنیا میں کسی کو جائز طور پر جینے کا حق دیتی ہے۔ اِس کے برعکس، جن لوگوں کے اندر ناشکری اور بے اعترافی کی نفسیات ہو، وہ خدا کی اِس دنیا میں مجرم اور درانداز (intruders) کی حیثیت رکھتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

بے روح عبادت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یعنی بہت سے روزے دار ایسے ہیں جن کو اپنے روزے سے (بھوک اور) پیاس کے سوا اور کچھ نہیں ملتا، اور بہت سے قیام لیل کرنے والے وہ ہیں جن کو اپنے قیام لیل سے، جاگنے کے سوا کچھ اور نہیں ملتا۔ (سنن الدارمی، کتاب الصوم)۔

روزے میں ترک طعام، روزے کی ایک ظاہری صورت ہے۔ اسی طرح، رمضان کی راتوں میں قیام کرنا اس کی ایک ظاہری صورت ہے، مگر ہر ظاہری صورت کے ساتھ ایک حقیقت شامل رہتی ہے۔ جس چیز کا حال یہ ہو کہ اس میں اس کی ظاہری صورت موجود ہو، لیکن اس کی داخلہ حقیقت اس میں نہ پائی جاتی ہو، تو ایسی چیز کی کوئی قیمت نہیں۔ اس کی مثال ایسے پھل کی ہے جس کا ظاہری چھلکا تو موجود ہو، لیکن اس کے اندر کا مغز اس میں نہ پایا جاتا ہو۔

روزے کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کے اندر خوف خدا کی صفت پیدا ہو، اس کے اندر تقویٰ کا شعور جاگے، اس کے اندر اخلاقی ڈسپلن پایا جائے، وہ حقیقی معنوں میں اپنے خالق اور رزاق کا شکر کرنے والا بن جائے۔ یہی روزے کا اصل مقصد ہے اور کسی کے روزے کو اسی اعتبار سے جانچا جائے گا کہ اس کے اندر روزے کی یہ مطلوب صفات پیدا ہوئیں یا نہیں۔ اسی طرح، روزے کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ مومن کو قرآن سے وابستہ کیا جائے۔ اسی لیے روزے کے مہینے میں مختلف انداز سے، قرآن کا زیادہ سے زیادہ چرچا کیا جاتا ہے۔ سچا روزہ آدمی کے اندر گہرائی اور سنجیدگی پیدا کرتا ہے۔ اس طرح کے ذہن کو لے کر آدمی جب قرآن کو سنتا ہے اور پڑھتا ہے تو وہ عام دنوں سے زیادہ، قرآن سے نصیحت لینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو کسی کے روزے کو جانچنے کا اصل معیار ہے۔ جس آدمی کے روزے میں یہ داخلی کیفیات شامل نہ ہوں، اس کا روزہ ایک بے روح روزہ ہے، نہ کہ حقیقی روزہ۔

Scanned with CamScanner

حج: ایک انتباہ

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یاتی علی الناس زمان یحج اغنیاء الناس للنزاھة، واوساطھم للتجارة، وقراوھم للریاء والسمعة، وفقراءھم للمسئلة (کنز العمال، رقم الحدیث: 12362) یعنی لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا، جب کہ مال دار لوگ تفریح کے لئے حج کریں گے، اور اُن کے درمیانی درجے کے لوگ تجارت کے لیے حج کریں گے، اور ان کے علماء دکھاوے اور شہرت کے لیے حج کریں گے، اور ان کے غریب لوگ مانگنے کے لیے حج کریں گے۔

یہ حدیث بہت ڈرا دینے والی ہے۔ اس کی روشنی میں موجودہ زمانے کے مسلمانوں کو خاص طور پر اپنا احتساب کرنا چاہیے۔ اُنھیں غور کرنا چاہیے کہ اُن کا حج اِس حدیثِ رسول کا مصداق تو نہیں بن گیا ہے۔ مال دار لوگ سوچیں کہ ان کے حج میں تقویٰ کی اسپرٹ ہے، یا سیر و تفریح (outing) کی اسپرٹ۔ عام لوگ یہ سوچیں کہ وہ دینی فائدے کے لیے حج کرنے جاتے ہیں یا تجارتی فائدے کے لیے۔ علماء غور کریں کہ وہ عبدیت کا سبق لینے کے لیے بیت اللہ جاتے ہیں، یا اپنی پیشوایانہ حیثیت کو بلند کرنے کے لیے۔ اِسی طرح غریب لوگ سوچیں کہ حج کو انھوں نے خدا سے مانگنے کا ذریعہ بنایا ہے، یا انسانوں سے مانگنے کا ذریعہ۔

اِس حدیثِ رسول میں پیشین گوئی کی زبان میں بتایا گیا ہے کہ امت پر جب زوال آئے گا تو اُس وقت لوگوں کا حال کیا ہوگا۔ دورِ عروج میں امت کا حال یہ ہوتا ہے کہ دین کا روحانی پہلو غالب رہتا ہے اور اس کا مادی پہلو دبا ہوا ہوتا ہے۔ دورِ زوال میں برعکس طور پر یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان دین کا روحانی پہلو دب جاتا ہے اور اس کا مادی پہلو ہر طرف نمایاں ہو جاتا ہے۔ پہلے دور میں، تقویٰ کی حیثیت اصل کی ہوتی ہے اور مادی چیزیں صرف ضرورت کے درجے میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس، دورِ زوال میں مادی چیزیں اصل بن جاتی ہیں اور کچھ ظاہری اور نمائشی چیزوں کا نام تقویٰ بن جاتا ہے۔ یہی معاملہ حج اور عمرہ کے ساتھ بھی پیش آتا ہے اور اسلام کی دوسری عبادات کے ساتھ بھی۔

Scanned with CamScanner

روزے کی حکمت

اسلام میں دو عبادات کو بنیادی عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔نماز اور روزہ۔نماز علامتی طور پر اسلام کے مثبت احکام کو بتاتی ہے۔اور روزہ بتاتا ہے کہ اہل ایمان کو کچھ باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔

نماز عمل کی زبان میں یہ بتاتی ہے کہ اہل ایمان کے اندر تواضع، اطاعت، شکر، امن پسندی اور باہمی الفت کا مزاج ہونا چاہیے۔اس کے مقابلے میں روزہ یہ بتاتا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زندگی پرہیزگاری کی زندگی ہو۔

حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص روزہ رکھے تو وہ نہ گندی بات کرے اور نہ شور کرے۔اگر کوئی شخص اس کو گالی دے تو وہ یہ کہہ دے کہ میں روزے دار ہوں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ سیلف کنٹرول کی تربیت ہے۔آدمی روزے کے زمانے میں جس طرح کھانے پینے کی چیزوں میں سیلف کنٹرول کا طریقہ اختیار کرتا ہے، اسی طرح اس کو اپنی پوری زندگی میں اخلاقی کنٹرول کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔کوئی شخص اگر اپنے غلط رویے سے اس کو بھڑکائے، تب بھی اس کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو بھڑکنے سے بچائے۔

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے روزہ رکھا مگر اس نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو خدا کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان میں کھانا اور پانی چھوڑنا ایک علامتی ترک ہے۔اس کا مقصد یہ ہے کہ آدمی ہر بُرائی کے معاملے میں ''روزے دار'' بن جائے۔وہ غلط بات بولنا بھی چھوڑ دے، اور غلط کام کرنا بھی چھوڑ دے۔یہی روزے کا اصل مقصد ہے۔

رمضان کا مہینہ ذاتی محاسبہ کا مہینہ ہے۔یہ اپنے اوپر نظر ثانی کرنے کا مہینہ ہے۔یہ اپنی اصلاح آپ کرنے کا مہینہ ہے۔رمضان کے مہینے کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو خدا کی نظر سے دیکھے نہ کہ صرف اپنی نظر سے۔

Scanned with CamScanner

آگ سے بچاؤ

رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہونچے تو وہاں آپ نے سب سے پہلے ایک مسجد بنائی جو مسجد نبوی کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں آپ نے جو پہلا جمعہ پڑھا۔ اس میں آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

اے لوگو، اپنے لیے کچھ آگے بھیجو۔ جان لو کہ خدا کی قسم تم میں سے ہر شخص موت کا نشانہ بنے گا۔ پھر وہ اپنی بکریوں کو اس حال میں چھوڑ کر چلائے گا کہ ان کا کوئی چرواہا نہ ہوگا۔ پھر اس کا رب اس سے کلام کرے گا اور وہاں کوئی ترجمان نہ ہوگا اور نہ درمیان میں کوئی پردہ ہوگا۔ وہ فرمائے گا کہ کیا تمہارے پاس میرا فرستادہ نہیں آیا جس نے تم کو میرا پیغام پہونچایا اور میں نے تم کو مال دیا اور تمہارے اوپر اپنا فضل کیا۔ پھر تم نے اپنے آگے کے لیے کیا بھیجا۔ بندہ اپنے دائیں اور بائیں دیکھے گا۔ مگر وہ کچھ نہ پائے گا۔ پھر وہ اپنے سامنے دیکھے گا۔ تو وہاں جہنم کے سوا اور کچھ نہ دیکھے گا۔ پس جو شخص اپنا چہرہ آگ سے بچا سکے وہ بچائے، خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ کیوں نہ ہو (البدایة والنہایة، 214/3)

آدمی کے اندر موت اور قیامت کے مسئلہ کا شدید احساس پیدا ہو جائے تو وہ چاہنے لگتا ہے کہ جو بھی قیمت وہ دے سکتا ہے، اس کو دے کر وہ اپنے آپ کو آخرت کے عذاب سے بچائے۔

رات کے وقت وہ بستر پر لیٹا ہوا ہے۔ آخرت کے مسئلہ کو سوچ کر وہ تڑپ اٹھتا ہے، وہ اٹھ کر وضو کرتا ہے اور نماز کے لیے کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ خدایا، میری اس نماز کو میری طرف سے قبول کر لے اور مجھے آگ کے عذاب سے بچا لے۔ وہ ایک شخص کو مصیبت میں دیکھتا ہے، وہ اپنی محنت کی کمائی کا ایک حصہ اس کو دیتا ہے اور اس کا دل کہہ رہا ہوتا ہے کہ خدایا، آج میں نے جس طرح اس کی مدد کی ہے، تو آنے والے سخت تر دن میں میری مدد فرما۔ ایک حق اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ اپنی پوزیشن کا خیال کیے بغیر اس کا اعتراف کر لیتا ہے اور آنسوؤں کی زبان سے کہتا ہے کہ خدایا، مجھے اپنے ان بندوں میں لکھ لے جنھوں نے دیکھے بغیر تیرا اعتراف کیا۔

ہر عمل ''کھجور کا ایک ٹکڑا'' ہے اور جس آدمی کے پاس جو ٹکڑا ہے، اس کو چاہیے کہ اسی ٹکڑے کو وہ اپنی نجات کے لیے پیش کرے۔

Scanned with CamScanner

سوال وجواب

سوال

قرآن کی ایک آیت میں ہے کہ: اے پیغمبر، جو کچھ تمھارے اوپر تمھارے رب کی طرف سے اترا ہے، تم اس کو پہنچادو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اللہ کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے گا (5:67) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے اپنے نبیوں کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ نبیوں کو ستایا گیا، حتی کہ بہت سے نبیوں کو قتل بھی کر دیا گیا۔ ایسی حالت میں: "واللہ یعصمک من الناس" کا مطلب کیا ہوگا۔ (عبداللطیف، پاکستان)

جواب

قرآن کی اس آیت میں بلاشبہہ پیغمبروں کے لیے اور داعیانِ حق کے لیے حفاظت کا وعدہ ہے، لیکن حفاظت کا یہ وعدہ ذات کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ مشن کے اعتبار سے ہے۔ اس وعدے کا مطلب یہ ہے کہ کسی پیغمبر کا جو مشن ہے وہ لازماً پورا ہوکر رہتا ہے۔ اللہ کی حفاظت اس بات کی گارنٹی ہوتی ہے کہ اس کو اللہ کی مدد حاصل ہو، اور اللہ کی مدد سے وہ تکمیل تک پہنچے۔ تکمیل سے مراد کسی عملی نظام کا قائم کرنا نہیں ہے، بلکہ اُس سے مراد ابلاغ اور انذار و تبشیر ہے۔

اس حفاظت کے باوجود دوسروں کے لیے یہ موقع باقی رہتا ہے کہ وہ اپنی آزادی کا غلط استعمال کر کے پیغمبر یا داعی کو بظاہر کوئی نقصان پہنچائیں۔ مگر اس نقصان کا تعلق آزمائش کے قانون سے ہے، نہ کہ "عصمت من الناس" کے قانون سے۔

سوال

الرسالہ میں آپ بار بار لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو سیاسی ماڈل کے بجائے دعوتی ماڈل اختیار کرنا چاہیے۔ دعوتی ماڈل سے آپ کی مراد کیا ہے، اِس کو واضح فرمائیں (محمد امان اللہ، دہلی)

جواب

آج کل یہ حال ہے کہ جس شخص کے دل میں کام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، وہ فوراً سیاسی انداز میں کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں کام کا سیاسی ماڈل بہت زیادہ معروف ہوگیا ہے۔ اس بنا پر

Scanned with CamScanner

لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ سیاسی ماڈل کے سوا کسی اور ماڈل کا تصور نہیں کر پاتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کام کا سب سے زیادہ بہتر، اور سب سے زیادہ نتیجہ خیز ماڈل وہ ہے جس کو دعوتی ماڈل کہا جا سکتا ہے۔ دعوتی ماڈل سے مراد نظریاتی ماڈل ہے، یعنی ایک فکر یا ایک آئڈیالوجی کی بنیاد پر پُرامن جدوجہد کرنا۔ انسان ایک سوچنے والا وجود (thinking being) ہے۔ اس لیے فکری ماڈل فوراً اس کو اپیل کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ داعی کے پاس اگر ایک حقیقی آئڈیالوجی ہو تو وہ انتہائی حد تک طاقت ور بن جائے گا۔ حقیقت پر مبنی فکر گویا ایک نظریاتی بم (ideological bomb) کی حیثیت رکھتا ہے، جو تمام طاقتور چیزوں سے زیادہ طاقتور ہے۔

سی پی ایس انٹرنیشنل آن لائن

الرسالہ مشن کی مختلف فکری اور دعوتی سرگرمیوں کو جاننے، اور مشن کے مضامین اور تقاریر کو سننے کے لیے وزٹ کریں:

www.cpsglobal.org
www.alquranmission.org
www.cpspakistan.org
www.goodwordbooks.com
www.alrisala.org

سی پی ایس انٹرنیشنل ٹیوٹر پیج
https://twitter.com/cps_global

القرآن مشن (ڈیلی قرآنی آیت) ٹیوٹر پیج
https://twitter.com/alquranmission

قرآن انٹرنیشنل (عالمی دعوہ ورک) فیس بک پیج
www.facebook.com/QuranInt?ref=h

مولانا وحید الدین خان ٹیوٹر پیج
https://twitter.com/Wahiduddinkhan.com

حکمت ودانائی (اردو اقتباس) فیس بک پیج
https://www.facebook.com/hikmat.u.danae

القرآن مشن (ڈیلی قرآنی آیت) فیس بک پیج
www.facebook.com/alquranmission?ref=hl

سی پی ایس انٹرنیشنل فیس بک پیج
www.facebook.com/cpsinternational?ref=hl

مولانا وحید الدین خان (انگلش اقوال زریں) فیس بک پیج
www.facebook.com/maulanawkhan?ref=hl

اسپرٹ آف اسلام (انگلش میگزین) فیس بک پیج
www.facebook.com/themagazinespiritofislam?ref=hl

مولانا وحید الدین خان (آڈیو اور ویڈیو لیکچر) فیس بک پیج
www.facebook/com/islamilecturesAudioVideoAudiomp3?ref=hl

اسپیکنگ ٹری
www.speakingtree.in/maulanawahiduddin.khan

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر، مولانا وحیدالدین خاں کے قلم سے

- اللہ اکبر
- اتحاد ملت
- احیاء اسلام
- اسباق تاریخ
- اسفار ہند
- اسلام: ایک تعارف
- اسلام: ایک عظیم جدوجہد
- اسلام اور عصر حاضر
- اسلام پندرہویں صدی میں
- اسلام دور جدید کا خالق
- اسلام دین فطرت
- اسلام کا تعارف
- اسلام کیا ہے
- اسلامی تعلیمات
- اسلامی جہاد (نئی)
- اسلامی دعوت
- اسلامی زندگی
- اظہار دین
- اقوال حکمت
- الاسلام
- الربانیہ
- امن عالم
- امہات المومنین (ڈاکٹر فریدہ خانم)
- انسان اپنے آپ کو پہچان
- انسان کی منزل
- ایمانی طاقت
- آخری سفر
- باغ جنت
- پیغمبر اسلام
- پیغمبر انقلاب
- تذکیر القرآن
- تاریخ دعوت حق
- تاریخ کا سبق
- تبلیغی تحریک
- تجدید دین
- تصویر ملت
- تعارف اسلام
- تعبیر کی غلطی
- تعدد ازواج
- تعمیر انسانیت
- تعمیر حیات
- تعمیر کی طرف
- تعمیر ملت
- حدیث رسول
- حقیقت حج
- حقیقت کی تلاش
- حکمت اسلام
- حل یہاں ہے
- حیات طیبہ
- خاتون اسلام
- خاندانی زندگی (پمفلٹ)
- خدا اور انسان
- خلیج ڈائری
- دعوت اسلام
- دعوت حق
- دین انسانیت
- دین کامل
- دین کی سیاسی تعبیر
- دین کیا ہے
- دین و شریعت
- دینی تعلیم
- ڈائری 1983-84
- ڈائری 1989-90
- ڈائری 1991-92
- ڈائری 1993-94
- راز حیات
- راہ عمل
- راہیں بند نہیں
- روشن مستقبل
- رہنمائے حیات (پمفلٹ)
- رہنمائے حیات
- زلزلہ قیامت
- سبق آموز واقعات
- سچا راستہ
- سفرنامہ اسپین و فلسطین
- سفرنامہ (غیر ملکی اسفار، جلد اول)
- سفرنامہ (غیر ملکی اسفار، جلد دوم)
- سوشلزم اور اسلام
- سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ
- سیرت رسول
- شتم رسول کا مسئلہ
- شہادت: امت مسلمہ کا مشن (نئی)
- صراط مستقیم
- صوم رمضان
- طلاق اسلام میں
- ظہور اسلام
- عظمت اسلام
- عظمت صحابہ
- عظمت قرآن
- عظمت مومن
- عقلیات اسلام
- علماء اور دور جدید
- عورت معمار انسانیت
- فسادات کا مسئلہ
- فکر اسلامی
- قال اللہ و قال الرسول
- قرآن کا مطلوب انسان
- قیادت نامہ
- کاروان ملت
- کتاب زندگی
- کتاب معرفت
- کشمیر میں امن
- مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے
- مذہب اور جدید چیلنج
- مذہب اور سائنس
- مسائل اجتہاد
- مضامین اسلام
- مطالعہ حدیث
- مطالعہ سیرت (پمفلٹ)
- مطالعہ سیرت
- مطالعہ قرآن
- منزل کی طرف
- مولانا مودودی شخصیت اور تحریک (ڈاکٹر فریدہ خانم)
- میوات کا سفر
- نار جہنم
- نشری تقریریں
- نئے عہد کے دروازے پر
- ہندستان آزادی کے بعد
- ہندستانی مسلمان
- ہند-پاک ڈائری
- یکساں سول کوڈ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

Date of Posting 10th and 11th of advance month
Published on the 1st of every month
Postal Regn. No. DL(S)-01/3130/2012-14
RNI 28822/76
Licenced to Post without Prepayment U (SE) 12/2012-14

اظہارِ دین

دورِ حاضر کی نسبت سے اسلام کو سمجھنے کے لیے ایک جامع کتاب

از: مولانا وحید الدین خاں

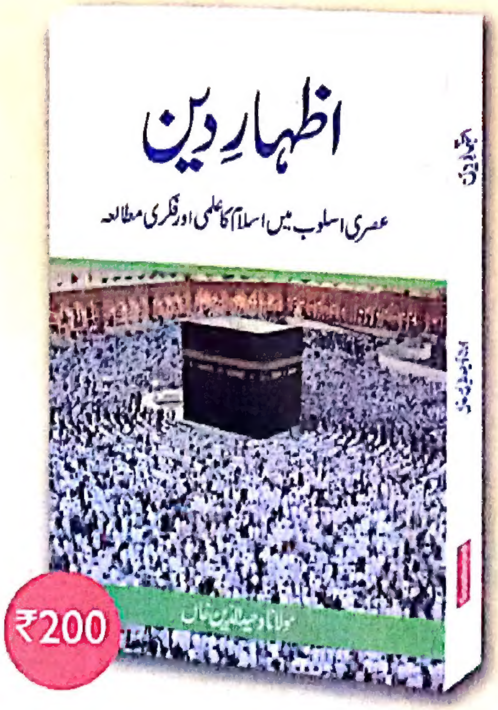

دورِ حاضر اپنی حقیقت کے اعتبار سے، دورِ اسلام ہے۔ دورِ حاضر کی علمی ترقیوں نے اسلام کی عالمی اہمیت کو ازسرِ نو واضح کیا ہے۔ سائنس اسلام کا علمِ کلام ہے۔

دورِ جدید کو ایک آئڈیالوجی کی ضرورت ہے۔ اسلام اِسی آئڈیالوجی کا دوسرا نام ہے۔ روحِ عصر سب سے زیادہ جس چیز کی طالب ہے، وہ بلاشبہہ دینِ اسلام ہے۔ اسلام دنیا اور آخرت کی سعادتوں کے لیے ایک مستند گائڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام اپنے نظریے کے اعتبار سے، مبنی برتوحید دین ہے اور اپنے طریقِ کار کے اعتبار سے، مبنی برامن دین — عصری اسلوب میں اسلام کے اِن تمام پہلوؤں کو جاننے کے لیے 'اظہارِ دین' کا مطالعہ کیجیے۔

Pages: 720

Scanned with CamScanner